خادمین کی عاجزی کا مقصد اور فوائد

(The Reformed Pastor)

Richard Baxter (ریچرڈ- بیکسٹر)

The Use Of Humiliation in Ministry

خادمین کی عاجزی کا مقصد اور فوائد

Reformed by TRUTH

Covenant God-Covenant People

Translated
By
Suleman Shahzad
(MIB-France, M.Div (Continue)-USA)
Reformed by TRUTH

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

Duplication of this document is permitted for personal, private use only.

صرف ذاتی اور نجی استعمال کے لیے نقل کی اجازت ہے، فروخت کے لیے نہیں۔

Attribution-NonCommercial-ShareAlike 4.0 International

NOT FOR SALE

Urdu Edition 2026

Copyright © Reformed by TRUTH

www.Reformedbytruth.com

خادمین کی عاجزی کا مقصد اور فوائد

مصنف: ریچرڈ بیکسٹر

مترجم: سلیمان شہزاد

ایک پادری کو اپنی روزی روٹی کھونے سے زیادہ اپنی روح کھونے کا ڈر ہونا چاہیے، اور اپنے آرام و آسائش کی حفاظت سے زیادہ خدا کو خوش کرنے کی فکر ہونی چاہیے۔

-ریچرڈ-بیکسٹر-

Not For Sale

مترجم کی تمہید:

یہ مختصر کتابچہ دراصل ریچرڈ بیکسٹر کی مشہور تصنیف "*The Reformed Pastor*" کے نہایت سنجیدہ اور دل کو جھنجھوڑ دینے والے باب **"The Use of Humiliation"** کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ باب خدامِ خدا کے لیے محض ایک اخلاقی نصیحت نہیں، بلکہ ایک روحانی آئینہ ہے—ایسا آئینہ جس میں خادم کو نہ صرف اپنی خدمت، بلکہ اپنا دل، اپنی نیت، اپنی ترجیحات، اور اپنی جوابدہی بھی صاف دکھائی دیتی ہے۔ ریچرڈ بیکسٹر اس باب میں خادم کو نیچا دکھانے یا مایوس کرنے کی کوشش نہیں کرتا، بلکہ وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ **عاجزی کوئی اضافی خوبی نہیں بلکہ خدمت کی بنیاد ہے**۔ اس کے نزدیک وہ خادم جو خود خدا کے حضور نہیں ٹوٹتا، دوسروں کو حقیقی معنوں میں نہیں سنوار سکتا۔ یہ کتاب اس خطرے کی نشاندہی کرتی ہے کہ کس طرح ایک خادم ظاہری طور پر خدمت میں مصروف رہتے ہوئے اندر سے غافل، بے حس، یا دنیا پرست ہو سکتا ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتی ہے کہ گناہ کا شعور کمزوری نہیں بلکہ فضل کی پہلی علامت ہے؛ اور یہ کہ حقیقی روحانی بیداری ہمیشہ عاجزی کے راستے سے ہو کر آتی ہے۔ اس ترجمہ میں شامل **Table of Contents (فہرستِ ابواب)** اصل انگریزی متن کا حصہ نہیں ہے، بلکہ یہ مترجم کی جانب سے شعوری طور پر شامل کی گئی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اردو قاری اس باب کے فکری بہاؤ کو آسانی سے سمجھ سکے، ہر حصے کو سوال کی صورت میں دیکھ کر خود احتسابی کی طرف مائل ہو، اور یہ کتاب محض پڑھی نہ جائے بلکہ دل پر اثر کرے۔ سوالیہ انداز اس لیے اختیار کیا گیا ہے کیونکہ یہ باب خود قاری سے سوال کرتا ہے—خادم کی نیت، خادم کی غفلت، اور خادم کی وفاداری کے بارے میں۔ یہ کتاب الزام لگانے کے لیے نہیں، کسی خاص فرقے یا گروہ کو نشانہ بنانے کے لیے نہیں، اور نہ ہی خادمین کو مایوسی میں دھکیلنے کے لیے ہے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ خادم خدا کے حضور دوبارہ سنجیدگی سے کھڑا ہو، اپنی ذمہ داری کو ابدیت کے تناظر میں دیکھے، اور عاجزی کے ذریعے اپنی خدمت کو زندہ، خالص، اور بابرکت بنائے۔ اگر یہ کتاب خادم کو خدا کے حضور ایک لمحہ رکنے پر مجبور کر دے، اگر یہ اُسے خود سے ایک ایماندار سوال

پوچھنے پر آمادہ کر دے، تو مترجم یہی سمجھے گا کہ اُس کا مقصد پورا ہو گیا۔ خداوند آپ کو برکت دیں اور آپ کی مسیحی خدمات کو پھلدار بنائیں۔

۔سلیمان شہزاد

فہرستِ مضامین

صفحہ نمبر

1. ایک خادم کے لیے عاجزی کیوں لازمی ہے؟ 1

2. اپنے گناہ کا شعور کمزوری ہے یا فضل کی ابتدا؟ 2

3. کیا خدمت کے دوران دل سو سکتا ہے؟ 3

4. کیا خدمت میں سستی صرف کمزوری ہے یا گناہ؟ 5

5. کیا خدا کے حضور جھکے بغیر اصلاح ممکن ہے؟ 7

6. عاجزی خادم کی قوت ہے یا کمزوری؟ 19

7. کیا دنیا کی محبت خادم کی خدمتِ خدا میں رکاوٹ ہے؟ 24

8. فرقہ بندی غیرتِ ایمانی ہے یا خود پسندی کی ایک شکل؟ 33

9. خادم کی ذمہ داری اور عملی وفاداری کیا ہے؟ 42

(1)
ایک خادم کے لیے عاجزی کیوں لازمی ہے؟

مسیح کی خدمت میں میرے معزز اور عزیز بھائیو ! آج یہاں ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے دلوں کو خداوند کے حضور اپنی گزشتہ کوتاہیوں کے باعث عاجز کریں، اور آنے والے وقت کے لیے اپنے کام میں خدا کی مدد کے طالب ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم دوسری چیز (یعنی مستقبل کی مدد) کی اُمید پہلی چیز (یعنی اپنی عاجزی) کے بغیر بہت کم ہی رکھ سکتے ہیں۔ اگر خدا ہمیں آئندہ اپنے فرض کی ادائیگی میں مدد دے گا، تو وہ پہلے ہمیں ہمارے گزشتہ گناہوں پر عاجز کرے گا۔

جو شخص اپنی خطاؤں کا اتنا بھی شعور نہیں رکھتا کہ خلوص کے ساتھ اُن پر رنج اور افسوس کرے، اس میں شاید اتنا شعور بھی نہ ہو کہ وہ اُن کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو سکے۔ توبہ کا غم دل اور زندگی کی حقیقی تبدیلی کے بغیر بھی موجود ہو سکتا ہے، کیونکہ وقتی جذبات پیدا کرنا سچی تبدیلی سے کہیں آسان ہے۔ لیکن حقیقی تبدیلی کسی نہ کسی حد تک غمِ توبہ کے بغیر ممکن نہیں۔ درحقیقت، ہمیں اپنی اعترافِ خطا کا آغاز یہیں سے کرنا چاہیے، کیونکہ ہمارے اندر یہ بات بہت عام ہے کہ ہم اپنی جماعت سے وہ چیزیں چاہتے ہیں، جن پر ہم خود بہت کم یا بالکل عمل نہیں کرتے۔ ہم کتنی محنت کرتے ہیں کہ لوگوں کو عاجز کریں، جبکہ ہم خود عاجز نہیں ہوتے ! ہم اُن سے چند توبہ کے آنسو نچوڑنے کے لیے کتنی سخت باتیں کرتے ہیں، جبکہ ہماری اپنی آنکھیں خشک ہی رہتی ہیں ! افسوس ! ہم اپنے الفاظ کے ذریعے اُن کے دل پگھلانے اور نرم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اپنے عمل سے اُنہیں سخت دلی کی مثال دیتے ہیں۔

کاش ! ہم اپنے سننے والوں کے دلوں کو متاثر اور درست کرنے کی جتنی کوشش کرتے ہیں، اُس کا آدھا بھی اپنے دلوں پر کرتے، تو ہم میں سے بہت سوں کی حالت ایسی نہ ہوتی جیسی اب ہے۔ اُن کی عاجزی کے لیے ہم جو کچھ کرتے

ہیں، وہ پہلے ہی بہت کم ہے، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ ہم میں سے بعض اپنی عاجزی کے لیے اس سے بھی کہیں کم کام کرتے ہیں۔

(2)

اپنے گناہ کا شعور کمزوری ہے یا فضل کی ابتدا؟

بہت سے لوگ دوسروں کی روحوں کے لیے تو کچھ نہ کچھ کرتے ہیں، مگر یوں لگتا ہے جیسے وہ یہ بھول گئے ہوں کہ اُن کے پاس خود بھی ایک روح ہے جس کی خبرگیری ضروری ہے۔ وہ اپنی خدمت اس طرح کرتے ہیں جیسے توبہ کا مطالبہ کرنا اُن کا کام ہو، اور توبہ کرنا سننے والوں کا؛ آنسو اور غم کا ذکر کرنا اُن کا فرض ہو، اور رونا اور غمگین ہونا دوسروں کا؛ گناہ کو برا کہنا اُن کا کام ہو، اور اُسے چھوڑنا لوگوں کا؛ فرض کی تبلیغ کرنا اُن کا حصہ ہو، اور اُس پر عمل کرنا سننے والوں کا۔ لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کلامِ مقدس میں کلیسیا کے رہنماؤں نے صرف لوگوں کے گناہوں ہی کا نہیں بلکہ اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کیا۔ عزرا نے کاہنوں کے گناہوں کا بھی اعتراف کیا اور عوام کے گناہوں کا بھی، اور وہ خدا کے گھر میں اُس کے سامنے رویا اور زمین پر گر پڑا۔ دانی ایل نے بھی اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، اور ساتھ ہی لوگوں کے گناہوں کا بھی۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہم اب تک بیان کی گئی ذمہ داریوں پر اچھی طرح غور کریں اور یہ دیکھیں کہ ہم نے اُنہیں کس قدر ناقص طور پر ادا کیا ہے، تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے پاس عاجزی اور شرمندگی کی وجہ موجود ہے۔ میں یہ لازمی کہوں گا، اگرچہ یہ کہتے ہوئے میں خود کو ملامت کرتا ہوں، کہ اگر کوئی شخص افسس کی کلیسیا کے بزرگوں کے نام پولُس رسول کی نصیحت کو پڑھے اور پھر اپنی زندگی کا اس سے موازنہ کرے، اور اگر وہ شخص اپنی کوتاہیوں کا احساس کرکے نرم نہ پڑے، اور خدا کے حضور عاجزی سے نہ جھکے، اپنی بڑی غفلتوں پر افسوس نہ کرے، اور مسیح کے خون اور اُس کے معاف کرنے والے فضل میں پناہ لینے کے لیے نہ دوڑے، تو وہ واقعی بے حس اور سخت دل انسان ہے۔

اے بھائیو ! مجھے پورا یقین ہے کہ تم میں سے کوئی بھی اس غیر بائبلی آزاد خیال عقیدے کو دل سے درست نہیں سمجھتا جو توبہ، اعترافِ گناہ، ندامت اور عاجزی کی ضرورت کو، بلکہ گناہ کی معافی کے لیے بھی، رد کرتا یا کم اہم ٹھہراتا ہے۔ پھر یہ کتنی افسوس کی بات ہے کہ ہمارے دل ہمارے ذہنوں کی طرح درست نہیں ہیں۔ ہم نے اپنا سبق ابھی آدھا ہی سیکھا ہے، کیونکہ ہم اسے جانتے بھی ہیں اور بیان بھی کر سکتے ہیں، مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔ اگرچہ ہماری عقل نے اسے سیکھ لیا ہے، پھر بھی ہماری مرضی، جذبات، ہماری آنکھوں، زبانوں اور ہاتھوں کو سکھانے کے لیے بہت زیادہ محنت درکار ہے۔ یہ ایک افسوسناک بات ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ اپنے سننے والوں کو سلا کر وعظ کرتے ہیں، مگر اس سے بھی زیادہ افسوسناک یہ ہے کہ کہیں ہم نے خود کو پڑھتے اور منادی کرتے کرتے غفلت کی نیند نہ سلا دیا ہو، اور دل کی سختی کے خلاف اتنا بولتے رہے ہوں کہ ہماری اپنی دلی سختی ہماری ہی ملامت کے شور میں اور بڑھ گئی ہو۔

(3)
کیا خدمت کے دوران دل سو سکتا ہے؟

میں چاہتا ہوں کہ آپ جان لیں کہ خدا ہم سے جو غم اور ندامت چاہتا ہے وہ بے وجہ نہیں، میں تمہیں ہماری بہت سی خطاؤں کی یاد دلاؤں گا اور اُنہیں تمہارے سامنے ترتیب سے رکھوں گا، تاکہ ہم کھلے دل اور دیانت داری سے اُن کا اعتراف کریں، تاکہ وہ خدا جو وفادار اور عادل ہے ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور ہمیں ہر طرح کی بدی سے پاک کرے۔ مجھے یقین ہے کہ اس بات میں مجھے تم سب کی دلی رضامندی حاصل ہے، اور یہ کہ تم مجھ سے ناراض ہونے کی بجائے (اگرچہ میں اس خدمت میں تمہاری اور دوسروں کی کوتاہیوں کو نمایاں کروں) اس الزام کو قبول کرو گے اور خود کو عاجزی سے قصوروار ٹھہراؤ گے۔ میں دوسروں پر الزام رکھ کر اپنے آپ کو بری ثابت نہیں کرتا، بلکہ سچے دل سے سب سے پہلے اپنا نام اسی فہرست میں شامل کرتا ہوں۔ کیونکہ ایک بدحال گنہگار، جو اتنی زیادہ اور اتنی

بڑی خطاؤں کا ذمہ دار ہو، خدا کے سامنے خود کو کیسے درست ٹھہرا سکتا ہے؟ اور وہ شخص بے گناہی کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے جس کے خلاف اُس کا اپنا ضمیر بے شمار گواہیاں دیتا ہوں؟ اگر اس خدمتِ کلیسیا کے باعث کوئی شرمندگی آتی ہے، تو وہ اس خدمت کی وجہ سے نہیں بلکہ ہماری اپنی ذات کی وجہ سے ہے، کیونکہ میں اسی گناہ کو ظاہر کر رہا ہوں جو ہماری رسوائی ہے۔ کلیسیا میں ہمارا بلند عہدہ ہمارے گناہ کو کوئی عزت نہیں دیتا، کیونکہ ''گناہ کسی بھی قوم کے لیے باعثِ رسوائی ہے''۔ چاہے وہ پادری صاحبان ہوں یا عام لوگ، رحم صرف اُنہی پر ہوتا ہے جو 'اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے اور اُنہیں چھوڑ دیتے ہیں'، لیکن 'جو اپنا دل سخت کرتا ہے وہ مصیبت میں پڑتا ہے'۔ جن بڑے گناہوں کے ہم زمہ دار ہیں، اُن سب کو گنوا دینا میں اپنے ذمے نہیں لیتا، اس لیے اگر میں کسی خاص گناہ کا ذکر نہ کروں تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ میں اُس کا انکار کر رہا ہوں یا اُسے درست ٹھہرا رہا ہوں۔ لیکن میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ چند ایسے گناہوں کی نشاندہی ضرور کروں جو بلند آواز سے عاجزی اور فوری اصلاح کا مطالبہ کرتے ہیں۔سب سے پہلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ، ہمارے درمیان کچھ خامیاں ضرور ہیں، لیکن میں نہیں سمجھتا کہ انگلینڈ کی تاریخ میں کبھی ایسا اہل اور مخلص مذہبی رہنماؤں کا گروہ رہا ہو جتنا آج ہے۔ اور مجھے لگتا ہے کہ دنیا کی بہت کم قومیں (اگر کوئی ہوں) ایسے مذہبی رہنماؤں کا گروہ رکھتی ہوں جو اس کے برابر ہو۔ پچھلے بارہ سالوں میں یہ تبدیلی اتنی بڑی ہے کہ اسے دیکھنا میری زندگی کی سب سے بڑی خوشیوں میں سے ایک ہے۔ خدا کا شکر ہے ! آج کتنی ہی ایسی جماعتیں ہیں جنہیں صاف اور باقاعدگی سے تعلیم دی جا رہی ہے، جبکہ پہلے وہ شدید جہالت اور گمنامی میں زندگی گزار رہی تھیں ! اُس زمانے کے مقابلے میں آج ایک ہی ضلع میں کتنے زیادہ قابل اور وفادار لوگ موجود ہیں ! خدا نے کس قدر مہربانی سے بہت سے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کو ترقی دی ہے۔ وہ نوجوان جو پچھلی مشکلات کے شروع میں چھوٹے بچے تھے اور آج وہ اپنے بزرگوں سے بھی سبقت لے گئے ہیں !

بیس برس پہلے، یا اس سے بھی کم عرصہ پہلے، میں میلوں کا سفر کرتا تھا تاکہ اُن قدیم، معزز اور بزرگ علما میں سے کسی ایک کو سن سکوں، جن کی جماعتیں اب چھوٹی ہو گئی ہیں، اور جن کی صلاحیتیں اب معمولی سمجھی جاتی ہیں، اس وجہ سے کہ اُن کے بعد اُن کے شاگردوں نے غیر معمولی ترقی کی ہے ! اور خاص طور پر، یہ کہ خداوند اس حقیر سے ضلع وارسیسٹر (County of Worcester) کے ساتھ اس قدر رحم اور شفقت کے ساتھ پیش آیا ہے، کہ اُس نے یہاں ایسے بہت سے لوگوں کو کھڑا کیا ہے جو اس مقدس خدمت کی عزت بڑھاتے ہیں، اور جو بے لوث اور بلا معاوضہ، پورے جوش اور بغیر تھکے، روحوں کی بھلائی کے لیے کام کر رہے ہیں ! میں خداوند کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے ایسے علاقے میں رکھا، جہاں مجھے اتنے قابل، وفادار، عاجز، متفق اور امن پسند آدمیوں کی برادرانہ رفاقت حاصل ہے۔ کاش خداوند اپنی یہ حیرت انگیز رحمت اس حقیر ضلع وارسیسٹر پر طویل عرصے تک قائم رکھے ! مجھے اُمید ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں، میں خدا میں خوش رہوں گا، کیونکہ میں نے اپنے وقت میں دوسرے علاقوں میں ہونے والی ان عام تبدیلیوں کو دیکھا ہے، جہاں سینکڑوں مخلص لوگ روحوں کی نجات کے لیے پوری لگن اور جانفشانی کے ساتھ کام کر رہے ہیں، حالانکہ دشمن بڑبڑاتا اور دانت پیستا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سے لوگ تیزی سے سامنے آرہے ہیں۔

(4)

کیا خدمت میں سستی صرف کمزوری ہے یا گناہ ؟

میں جانتا ہوں کہ کچھ ایسے لوگ ہیں جن کی صلاحیتوں کا میں احترام کرتا ہوں، مگر کلیسیا کے نظم و نظام کے بارے میں اُن کی رائے اس معاملے میں مختلف ہے ، اور وہ اس خوشگوار تبدیلی کے میرے محض ذکر پر بھی ناراض ہوں گے؛ لیکن مجھے یہ اقرار کرنا ہوگا کہ اگر میں دل سے مکمل طور پر بھی اُن کے نظام کا حامی ہوتا، تب بھی میں اس بہتری پر

خوش ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ کیا صرف اس وجہ سے کہ لوگ کلیسیا کے انتظام کے بارے میں ایک رائے نہیں رکھتے، مجھے کلیسیا کی خوشحالی پر خوش نہیں ہونا چاہیے؟ کیا میں خدا کی رحمتوں سے آنکھیں بند کر لوں؟ انسانوں کی روحیں مجھے اتنی حقیر نہیں لگتیں کہ میں اُنہیں ''زندگی کی روٹی'' (یعنی مسیح) سے محروم دیکھوں، صرف اس لیے کہ وہ روٹی ایسے ہاتھوں سے توڑی گئی ہے جنہیں میرے پسندیدہ نظام کی منظوری حاصل نہیں۔ کاش ہر جماعت کو اسی طرح راہنمائی اور خوراک ملے! لیکن سب کچھ ایک ساتھ نہیں ہو سکتا۔ خراب اور بگڑے ہوئے کلیسائی نظام کو درست کرنے میں بہت وقت لگاتا ہے، اور جب جاہل اور بدچلن لوگوں کو ہٹا دیا جاتا ہے تو فوراً اُن کی جگہ اہل اور قابل لوگ پیدا نہیں کیے جا سکتے۔ ہمیں اُن کی تیاری، نشوونما اور تربیت کے لیے وقت دینا پڑتا ہے۔ اور اگر انگلستان اپنے غلط استعمال، جان بوجھ کر اصلاح نہ کرنے، اور روشنی سے نفرت کی وجہ سے انجیل کی خوشخبری کو خود سے دور نہ کرے، تو وہ زمین کی سب سے خوشحال قوموں میں سے ایک قوم بن سکتی ہے۔ جہاں تک اُن فرقوں اور بدعتوں کا تعلق ہے جو آہستہ آہستہ پھیل رہی ہیں اور روز ہمیں پریشان کر رہی ہیں، مجھے کوئی شک نہیں کہ اگر انجیل کی منادی اہل، مخلص اور خود کو قربان کرنے والے خادمین کے ذریعے درست طور پر کی جائے، تو وہ سب کو بے اثر اور شرمندہ کر دے گی۔

لیکن آپ کہیں گے کہ یہ تو گناہوں کا اعتراف نہیں، بلکہ اُن لوگوں کی تعریف ہے جن کے گناہوں کے اعتراف کا آپ دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خدا کی مہربانیوں کا بجا اعتراف اور اُس کی عظیم رحمتوں پر شکرگزاری ہے، تاکہ میں اعتراف کے وقت ناشکرا نہ ٹھہروں، اور نہ ہی خدا کی نعمتوں کو دھندلا یا حقیر بناؤں۔

(5)

کیا خدا کے حضور جھکے بغیر اصلاح ممکن ہے؟

جب میں اُن کمزوریوں کو بیان کرتا ہوں جو بہت سے لوگوں میں خدا کی نعمتوں کے ساتھ پائی جاتی ہیں، کیونکہ بہترین لوگوں میں بھی بہت سی چیزیں افسوسناک طور پر بے ترتیب ہیں، جیسا کہ نیچے بیان کیے گئے نکات سے ظاہر کیا گیا ہے۔

1۔ ہمارے سب سے سنگین اور نمایاں گناہوں میں سے ایک غرور (تکبر) ہے۔

یہ ایسا گناہ ہے جو ہم میں سے بہترین لوگوں میں بھی بہت اثر رکھتا ہے، لیکن یہ ہمارے اندر دوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ نفرت انگیز اور ناقابلِ عذر ہے۔ اس کے باوجود، یہ ہم میں سے بعض پر اس قدر غالب ہے کہ یہ ہماری گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے، ہماری صحبت کا انتخاب کرتا ہے، ہمارے چہرے پر اثر ڈالتا ہے، اور ہمارے الفاظ میں زور اور لہجہ ڈالتا ہے۔ یہ بعض لوگوں کے دلوں میں بڑائی کی خواہشات اور منصوبے پیدا کرتا ہے، اور اُن پر حسد اور تلخ خیالات طاری کرتا ہے، خاص طور پر ان لوگوں کے بارے میں جو اُن کے راستے میں حائل ہوں، یا کسی طرح اُن کی شان گھٹا دیں، یا اُن کی شہرت کی ترقی میں رکاوٹ بنیں۔ آہ! غرور کا یہ گناہ کیسا مستقل ساتھی، کیسا ظالم حاکم، اور کس قدر چالاک اور دھوکے باز دشمن ہے!

یہ آدمی کے ساتھ کپڑے کے تاجر، ریشم فروش اور درزی کے پاس بھی جاتا ہے، اور یہی اُس کے لیے کپڑا، سجاوٹ اور فیشن چنتا ہے۔ بہت سے واعظ اپنے لباس اور بالوں کے انداز میں اس قدر بناوٹ نہ کرتے، اگر یہ ظالم گناہ اُنہیں اس کا حکم نہ دیتا۔ کاش بات یہیں ختم ہو جاتی، یا یہی سب سے بڑا مسئلہ ہوتا۔ مگر افسوس! یہ کتنی بار ہمارے ساتھ ہمارے مطالعے کے کمرے تک آ جاتا ہے، وہیں ہمارے ساتھ بیٹھ کر ہمارا کام کرنے لگتا ہے۔ کتنی ہی بار یہ ہمارے موضوع کا انتخاب کرتا ہے، اور اس سے بھی زیادہ بار ہمارے الفاظ اور بناوٹ کو چنتا ہے۔ خدا ہمیں حکم دیتا ہے کہ

ہم جتنا ہو سکے سادہ انداز اختیار کریں تاکہ سادہ لوگوں کو سمجھا سکیں، اور جتنا مضبوط اور سنجیدہ ہو سکیں بات کریں تاکہ اُن کے سخت دل نرم ہوں اور بدل جائیں۔ لیکن غرور پاس کھڑا ہو کر سب کی مخالفت کرتا ہے، اور اپنی فضول باتیں اور دکھاوے کی چیزیں سامنے لے آتا ہے۔

یہ ہمیں سنوارنے کی بجائے آلودہ کرتا ہے، اور قابلِ تعریف آرائش کے بہانے ہمارے خطبات کو بچکانہ دکھاووں سے بے عزت کرتا ہے۔جیسے کسی سلطنت کے شہزادے کو کسی اسٹیج کے اداکار یا رنگے ہوئے مسخرے کے لباس میں سجا دیا جائے۔ یہ ہمیں قائل کرتا ہے کہ ہم کھڑکی کو رنگ دیں تاکہ روشنی مدھم ہو جائے، اور لوگوں سے ایسی بات کریں جو وہ سمجھ ہی نہ سکیں تاکہ وہ جان لیں کہ ہم بے فائدہ باتیں کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اگر ہمارے پاس کوئی سیدھی اور دل کو چیر دینے والی بات ہو، تو یہ اُس کی دھار ختم کر دیتا ہے، اور ہمارے وعظ کی جان نکال دیتا ہے، اس بہانے سے کہ کھردرا پن، ناہمواری اور زیادتی کو تراشا جا رہا ہے۔ جب خدا ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم لوگوں کے ساتھ اُن کی جانوں کے معاملے میں بات کریں، اور پوری ممکنہ سنجیدگی کے ساتھ اُن سے فریاد کریں، تو یہ ملعون گناہ سب پر قابو پا لیتا ہے، خدا کے مقدس ترین احکام کو رد کرتا ہے، اور ہم سے کہتا ہے کہ: ''کیا ! تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہیں پاگل سمجھیں؟ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ کہیں تم چیختے چلّاتے ہو؟ کیا تم سنجیدگی اور اعتدال سے بات نہیں کر سکتے؟ اس طرح غرور بہت سے لوگوں کے واعظ تیار کرتا ہے، اور جو کچھ غرور بناتا ہے، وہ دراصل شیطان بناتا ہے اور شیطان کی بنائی ہوئی تقریریں کس مقصد کے لیے ہوتی ہیں، اس کا اندازہ ہم آسانی سے لگا سکتے ہیں۔ اگرچہ مواد خدا کی طرف سے ہو، لیکن اگر اس کی پوشاک، انداز، طریقہ اور مقصد شیطان کی طرف سے ہو، تو ہمیں زیادہ کامیابی کی اُمید نہیں رکھنی چاہیے''۔

اور جب غرور واعظ کو تیار کر لیتا ہے، تو یہ ہمارے ساتھ منبر تک بھی جاتا ہے، یہ ہمارے لہجے کو تشکیل دیتا ہے، اس کے بیان میں ہمیں جوش دلاتا ہے،، اور ہمیں اس کام سے ہٹا دیتا ہے جو ضروری ہونے کے باوجود ناپسندیدہ لگ سکتا

ہو، اور ہمیں فضول تعریف کے پیچھے لگا دیتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ گناہ انسان کو پڑھتے وقت بھی اور وعظ کرتے وقت بھی اپنی ذات کو تلاش کرنے پر لگاتا ہے، اور خدا کو نظر انداز کر دیتا ہے، حالانکہ ہمیں خدا کی بڑائی کو تلاش کرنا چاہیے اور خود کو بھول جانا چاہیے۔ جہاں ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ میں کیا کہوں اور کیسے کہوں تاکہ خدا کی تعریف ہو اور کلیسیا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو، وہاں یہ ہمیں سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ میں کیا کہوں اور کیسے پیش کروں تاکہ لوگ مجھے بڑا عالم اور قابل واعظ سمجھیں اور سب میری تعریف کریں ؟

جب وعظ ختم ہو جاتا ہے، تو غرور بھی واپس آ جاتا ہے، اور اُنہیں اس بات کی زیادہ فکر لگ جاتی ہے کہ لوگوں میں اُن کی تعریف ہوئی یا نہیں، بجائے اس کے کہ روحوں کی نجات کے لیے وہ کامیاب ہوئے یا نہیں۔ اگر شرم نہ ہوتی، تو وہ لوگوں سے پوچھ لیتے کہ اُنہیں اُنکا خطبہ کیسا لگا، تاکہ خود تعریفیں سنیں۔ اگر وہ محسوس کریں کہ اُن کی تعریف ہو رہی ہے، تو خوش ہوتے ہیں جیسے اُنہوں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا ہو، لیکن اگر وہ دیکھیں کہ لوگ اُنہیں معمولی یا کمزور سمجھتے ہیں، تو وہ ناخوش ہوتے ہیں، جیسے وہ اپنے متوقع انعام سے محروم ہو گئے ہوں۔

لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی، اگر اس سے بھی کوئی بدتر بات ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے۔ (افسوس) کہ خدا کے خادموں کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ عوامی مقبولیت اور لوگوں کی نظر میں سب سے اُونچا مقام پانے کے اس قدر خواہش مند ہو گئے ہیں کہ اپنے اُن بھائیوں کی صلاحیتوں اور نام سے بھی حسد کرنے لگے ہیں جنہیں اُن پر ترجیح دی جاتی ہے۔ جیسے دوسروں کو ملنے والی تعریف سے اُن کی تعریف چھین لی جاتی ہو اور جیسے خدا نے اپنی نعمتیں اُنہیں صرف اس لیے دی ہوں کہ وہ اس دنیا میں نام اور شہرت کے ساتھ چل پھر سکیں، یا گویا دوسروں کو دی گئی خدا کی نعمتوں کو نیچا دکھانا اور پامال کرنا ضروری ہو، اگر وہ اُن کی عزت کے راستے میں آتی دکھائی دیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ کوئی شخص مقدس ہو، مسیح کا خادم ہو، پھر بھی اُس چیز سے حسد کرے جس پر مسیح کی جھلک ہے، اور اُن نعمتوں کو برا سمجھے جن پر خدا کی تعریف ہونی چاہیے، صرف اس لیے کہ وہ اس کی اپنی شان میں رکاوٹ بنتی نظر آتی ہو۔ کیا ہر

سچا مسیحی مسیح کے بدن کا ایک عضو نہیں؟ اور کیا وہ پورے بدن کی برکتوں میں اور ہر عضو کی برکت میں شریک نہیں ہوتا؟ اور کیا ہر انسان پر لازم نہیں کہ وہ اپنے بھائیوں کی نعمتوں پر خدا کا شکر ادا کرے، نہ صرف اس لیے کہ اُن میں اس کا بھی حصہ ہے، جیسے پاؤں کو آنکھ کی رہنمائی سے فائدہ پہنچتا ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ اُس کے اپنے مقاصد بھی اُس کے بھائیوں کی نعمتوں کے ذریعے پورے ہو سکتے ہیں، جیسے اُس کی اپنی نعمتوں سے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر خدا کی تعریف اور کلیسیا کی بھلائی اُس کا مقصد نہیں، تو وہ مسیحی ہی نہیں۔

کیا کوئی کاریگر کسی دوسرے کاریگر سے اس لیے دشمنی رکھے گا کہ وہ اُس کے مالک کا کام کرنے میں اُس کی مدد کر رہا ہے؟ مگر افسوس! مسیح کے خادموں میں یہ سنگین گناہ کتنا عام ہو گیا ہے۔ وہ چپکے چپکے اُن لوگوں کی شہرت کو نقصان پہنچاتے ہیں جو اُن کے راستے میں آتے ہیں، اور جو بات وہ شرم کے مارے کھلے لفظوں میں نہیں کہہ سکتے، کہ کہیں جھوٹے اور بہتان لگانے والے ثابت نہ ہو جائیں، وہ اشاروں، مبہم باتوں اور بدنیتی سے شک پیدا کر کے کہہ دیتے ہیں۔ کچھ لوگ تو یہاں تک پہنچ جاتے ہیں کہ وہ یہ بھی پسند نہیں کرتے کہ کوئی ایسا اُن کے منبر پر آئے جو اُن سے زیادہ قابل ہو، کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اُن سے زیادہ تعریف حاصل کر لے۔ یہ کتنی خوفناک بات ہے کہ جس شخص میں خدا کا تھوڑا سا بھی خوف ہو، وہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے حسد کرے، اور یہ چاہے کہ غیر مسیحی سننے والے غیر تبدیل شدہ ہی رہیں اور سوئے ہوئے جا گیں ہی نہ، مگر کسی اور کے ذریعے نجات نہ پائیں جو اس سے بہتر ہو۔ یہ لعنتی برائی اس قدر پھیل چکی ہے کہ بہت سی بڑی جماعتوں میں، جہاں بہت سے خادمین کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں دو برابر صلاحیت رکھنے والے واعظ محبت اور سکون کے ساتھ اکٹھے نہیں رہ سکتے اور یکدل ہو کر خدا کا کام نہیں کر پاتے۔ جب تک ایک دوسرے سے بہت کم نہ ہو اور اسی حیثیت پر راضی نہ ہو، یا ایک دوسرے کا ماتحت بن کر نہ رہے، تب تک وہ برتری کے لیے جھگڑتے رہتے ہیں، ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں، اور ایک دوسرے کے ساتھ

اجنبیت اور بدگمانی سے پیش آتے ہیں، جو اُن کے منصب کے لیے باعثِ شرم اور اُن کی جماعت (کلیسیا) کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

مجھے شرم آتی ہے کہ جب میں بڑی جماعتوں میں ایک سے زیادہ خادمین کی ضرورت کے بارے میں لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ وہ کبھی آپس میں اتفاق نہیں کر سکیں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ اعتراض زیادہ تر لوگوں کے لیے درست نہیں، لیکن افسوسناک ہے کہ کسی پر یہ سچ ہو۔ بلکہ کچھ لوگ غرور میں اس حد تک آگے بڑھ چکے ہیں کہ جب وہ خدا کے کام کو آگے بڑھانے کے لیے اپنے برابر کے کسی معاون کو رکھ سکتے ہوں، تو وہ عزت میں شریک ہونے یا لوگوں کی نظر میں اپنی حیثیت کم ہونے کے خوف سے سارا بوجھ خود ہی اُٹھا لینا بہتر سمجھتے ہیں، اب چاہے یہ بوجھ اُن کی طاقت سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

اسی وجہ سے لوگ اپنی رائے کو اتنا زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں، کہ جو کوئی معمولی باتوں میں بھی اُن سے اختلاف کرے، اُس پر ایسی سخت تنقید کرتے ہیں جیسے اُس نے اُن سے نہیں بلکہ خدا سے اختلاف کیا ہو۔ وہ توقع کرتے ہیں کہ سب کو اُن کے فیصلوں کے مطابق چلنا چاہیے، جیسے وہ کلیسیا کے ایمان کے حاکم ہوں اور جب ہم پوپ کی ناقابلِ غلطی کے دعوے پر اعتراض کرتے ہیں، جبکہ ہم میں سے بہت سے خود بھی پوپ بننا چاہتے ہیں، اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ سب ہمارے فیصلوں کے مطابق عمل کریں، گویا ہم کسی غلطی سے پاک ہوں۔ یہ سچ ہے کہ ہم کھلے لفظوں میں ایسا نہیں کہتے، ہم یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم صرف سچائی کے واضح دلائل کی خاطر چاہتے ہیں کہ لوگ مانیں، اور ہمارا جوش اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ سچ کے لیے ہے۔ مگر چونکہ ہماری رائے ہی ہمیں سچ لگتی ہے، اس لیے ہمارے دلائل بھی ہمیں لازماً درست نظر آتے ہیں۔ اور اگر کوئی اُن دلائل کو آزادی سے پرکھے اور وہ غلط ثابت ہو جائیں، تو ہم خود اُسے ماننے سے بھی ہچکچاتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے ہیں اور دوسروں کے سامنے اُن کی کمزوری ظاہر

ہونے پر ناراض ہو جاتے ہیں۔ ہم اپنی غلطیوں کا اس طرح دفاع کرتے ہیں جیسے اُن پر تنقید دراصل ہماری ذات پر حملہ ہو۔ ہمیں یہ بہت بڑا ظلم لگتا ہے کہ ہمارے دلائل کو پوری طرح رد کر دیا جائے، حالانکہ اُنہی دلائل سے ہم نے سچائی اور لوگوں کی جانوں کو نقصان پہنچایا ہوتا ہے۔ غرور کی وجہ سے معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ اگر کوئی غلط یا کمزور دلیل کسی معزز نام کی سرپرستی میں آجائے (جو کوئی انوکھا معاملہ نہیں)، تو یا تو ہمیں سچ کو چھوڑ کر اُسی کو جیت ماننا پڑتا ہے، یا پھر اُس نام کی عزت کو ٹھیس پہنچانے والا بننا پڑتا ہے جو اُس کی حمایت کر رہا ہوتا ہے۔ حالانکہ آپ اُن کی ذات پر بات نہیں کرتے، پھر بھی وہ اپنے آپ کو اُن تمام ضربوں کے نیچے لے آتے ہیں جو آپ اُن کے دلائل پر کرتے ہیں، اور اُنہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ نے خود اُنہی پر حملہ کیا ہو، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں کی نظر میں کمزور دلیل کمزور انسان کی علامت سمجھی جائے گی۔

لہذا، اگر آپ اپنا فرض سمجھتے ہوئے اُن کی غلطیوں اور جھوٹے دلائل کو بے نقاب کرکے، اُن کی اصلاح کریں، تو وہ اسے اپنی بے عزتی سمجھتے ہیں۔ یوں اُن کا نام اُن کی غلطیوں کے لیے ایک قلعہ بن جاتا ہے، اور اُن کی عزت ہر بات کو تنقید سے بچانے کی ڈھال بن جاتی ہے۔

ہمارا غرور اس قدر بلند ہو جاتا ہے کہ جب کسی پر لازم ہو جائے کہ وہ ہمیں ٹوکے یا ہماری بات سے اختلاف کرے، تو ہم عموماً نہ بات کو برداشت کرتے ہیں اور نہ ہی اُس کے انداز کو۔ ہم اُس شخص کو پسند کرتے ہیں جو ہماری ہی بات کہے، ہماری رائے سے اتفاق کرے، اور ہماری شہرت بڑھائے، چاہے دوسری باتوں میں وہ ہماری عزت کے لائق کم ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن جو ہم سے اختلاف کرے، ہمیں ٹوکے، ہماری غلطیوں کی صاف صاف نشاندہی کرے اور ہمارے عیب بتائے، وہ ہمیں ناشکرا اور ناپسندیدہ لگتا ہے۔ خاص طور پر عوامی بحثوں میں، جہاں دنیا کی نظریں ہم پر ہوتی ہیں، تو ہم کسی بھی مخالفت یا سیدھی بات کو برداشت کرنے میں مشکل محسوس کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بدزبانی سے بچنا چاہیے، اور سچائی کے تقاضے کے مطابق ہمیں ایک دوسرے کی عزت کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ مگر

غرور ہم میں سے بہت سے لوگوں کو یہ سمجھنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ جو ہماری تعریف نہیں کرتا، وہ ہمیں حقیر جانتا ہے، بلکہ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ لوگ نہ صرف ہماری تعریف کریں بلکہ ہماری کھلی ہوئی غلطیوں میں بھی اپنی رائے سے ہمارے ساتھ اتفاق کرے ۔ ہم اتنے نازک مزاج ہو جاتے ہیں کہ کوئی ذرا سا چھو بھی لے تو ہمیں چوٹ لگ جاتی ہے، اور اتنے خود پسند کہ جو شخص عام درجے سے بڑھ کر خوشامد کرنا نہ جانتا ہو، وہ ہمیں ہر موڑ پر اس طرح سنبھال ہی نہیں پاتا کہ ہماری توقعات پوری ہوتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایک لفظ، یا کوئی معمولی سی لاپروائی، ہمارے بلند مزاج کو فوراً ناگوار گزرتی ہے، اور ہم اُسے اپنی عزت پر حملہ سمجھ لیتے ہیں۔

میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں اکثر حیران ہوتا رہا ہوں کہ یہ نہایت سنگین گناہ ''غرور'' اتنا ہلکا کیوں سمجھا جاتا ہے، اور اسے دل اور زندگی کی پاکیزگی کے ساتھ کیسے موافق مان لیا جاتا ہے، جبکہ اس سے کہیں چھوٹے گناہوں کو ہم خود اپنے لوگوں میں اتنا ہلاکت خیز قرار دیتے ہیں۔ اور میں اس بات پر اور بھی حیران ہوا کہ خدا کے خدمت گزار اور بے دین گنہگار اس معاملے میں کس قدر مختلف ہیں۔

جب ہم نشے میں ڈوبے، دنیا پرست، جاہل یا بے دین لوگوں سے بات کرتے ہیں، تو ہم پوری سختی سے اُن کی اصلاح کرتے ہیں، صاف صاف اُن کے گناہ، اُن کی شرمندگی اور اُن کی بدحالی بیان کرتے ہیں، اور ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ نہ صرف یہ سب صبر سے سنیں بلکہ شکرگزاری کے ساتھ سب قبول بھی کریں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ اسے صبر سے برداشت بھی کرتے ہیں، بلکہ بہت سے بڑے گنہگار تو اُن واعظوں کی زیادہ تعریف کرتے ہیں جو اُن سے صاف اور کڑوی بات کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمیں ایسے واعظ کی بات سننی ہی نہیں جو ہمارے گناہ واضح طور پر نہ بتائے۔ لیکن جب ہم خدا کے خدمت گزاروں سے اُن کی غلطیوں یا گناہوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے اگر اُنہیں عزت اور احترام نہ دیں، اور جتنی مہارت سے ممکن ہو بات نہ کریں، بلکہ اگر ہم اصلاح کے ساتھ تعریف نہ ملائیں، اور اگر تعریف اس قدر زیادہ نہ ہو کہ اصلاح کی ساری بات دب جائے، تو وہ اسے تقریباً ناقابلِ برداشت زیادتی

سمجھتے ہیں۔ اے بھائیو، میں جانتا ہوں کہ یہ ایک تلخ اعتراف ہے، مگر یہ بات کہ یہ سب کچھ ہمارے درمیان پایا جاتا ہے، ہمیں اس بات سے زیادہ دکھ دینی چاہیے کہ ہم سے اس کی نشاندہی کی جا رہی ہے۔

اگر یہ برائی چھپی ہوئی ہوتی تو میں اسے ظاہر نہ کرتا، کم از کم سب کے سامنے اس طرح تو نہیں۔ مگر افسوس ! یہ طویل عرصے سے دنیا کی نظروں میں آچکی ہے۔ ہم نے اپنی عزت کو بُت بنا کر خود کو رسوا کیا ہے، ہم اپنی شرمندگی کو شائع کرتے ہیں، اور اپنی شرمندگی کو چرچ کے منبر سے سناتے ہیں، یوں اسے ساری دنیا میں مشہور کر چکے ہیں۔ کچھ لوگ سمجھیں گے کہ میں ایسے لوگوں کو خدا ترس کہہ کر حد سے زیادہ نرمی کر رہا ہوں جن میں اتنا بڑا گناہ اس قدر غالب ہے۔

میں جانتا ہوں کہ جہاں یہ گناہ غالب ہو، اس سے نفرت نہ کی جائے، اس پر افسوس نہ کیا جائے، اور اسے دبانے کی کوشش نہ کی جائے، وہاں سچی دینداری نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے میں ہر شخص سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے دل کو سختی سے جانچے۔ لیکن اگر وہ سب بے فضل ٹھہریں جو غرور کی ان نشانیوں میں سے کسی کے بھی یا زیادہ تر کے مجرم ہیں، تو خدا اس ملک کے خادموں پر رحم کرے، اور ہمیں جلد ایک نیا دل اور نئی روح عطا فرمائے، کیونکہ پھر فضل اس سے کہیں زیادہ نایاب چیز ہو جائے گا جتنا ہم نے سمجھ رکھا ہے۔

پھر بھی مجھے یہ ضرور کہنا ہے کہ میرا مقصد مسیح کے تمام خادمین کو اس الزام میں شامل کرنا نہیں ہے۔ خدا کے فضل کی تعریف کے ساتھ کہنا چاہیے کہ ہمارے درمیان کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو عاجزی اور نرمی میں نمایاں ہیں، اور اس معاملے میں اپنی جماعت اور اپنے بھائیوں کے لیے نمونہ ہیں۔ یہی اُن کی عزت ہے، اور یہی ہمیشہ اُن کی عزت رہے گی، اور یہی چیز اُنہیں خدا کی نظر میں، نیک لوگوں کی نظر میں، بلکہ بے دین لوگوں کی نظر میں بھی قابلِ احترام اور محبوب بناتی ہے۔ کاش ہم سب ایسے ہی ہوتے ! مگر افسوس، ہم سب ایسے نہیں ہیں۔

کاش خداوند ہمیں اس گناہ پر سچے دل سے آنسو بہانے کے لیے اپنے قدموں کے نیچے لائے۔ اے بھائیو ! مجھے اجازت دو کہ میں اس معاملے میں تھوڑی سی بات اپنے دل سے بھی کروں اور تمہارے دلوں سے بھی، تاکہ ہم اپنے گناہ کی برائی کو پہچانیں اور اصلاح کی طرف آئیں۔ کیا غرور شیاطین کا گناہ نہیں، جو جہنم کے وارث ہیں؟ کیا یہی وہ چیز نہیں جس میں شیطان کی صورت سب سے زیادہ جھلکتی ہے؟ اور کیا یہ اُن لوگوں میں برداشت کیا جا سکتا ہے جو شیطان اور اُس کی بادشاہی کے خلاف کھڑے ہیں؟

انجیل کا اصل مقصد ہی ہمیں جھکا دینا یعنی عاجز بنانا ہے، اور خدا کے فضل کا کام عاجزی سے شروع ہوتا ہے اور اسی میں آگے بڑھتا ہے۔ عاجزی ایک مسیحی کا صرف زیور ہی نہیں، بلکہ نئی زندگی کا لازمی حصہ بھی ہے۔ مسیحی ہونا اور عاجزی سے خالی ہونا آپس میں دو متضاد باتیں ہیں۔ جو کوئی مسیحی بننا چاہتا ہے، اسے لازماً مسیح کا شاگرد بننا ہوگا، اور اُس سے وہ سبق سیکھنا ہوگا، جو وہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ''نرم دل اور فروتن بنو''۔

ہمارے خداوند اور اُستاد نے اس مقصد کے لیے کتنے احکام دیے اور کتنی خوبصورت مثالیں پیش کیں۔ کیا ہم اُسے اپنے بندوں کے پاؤں دھوتے اور صاف کرتے دیکھتے ہوئے، پھر بھی مغرور اور خود پسند رہ سکتے ہیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اُستاد اور خداوند ہوتے ہوئے عام اور غریب لوگوں کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے، اور ہم (اُس کے شاگرد ہونے کا دعوی کرتے ہوئے) انہی عام اور غریب لوگوں کو نظر انداز کریں اور یہ سمجھیں کہ صرف مالدار اور معزز لوگ ہی ہماری صحبت کے لائق ہیں؟ ہم میں سے کتنے ہیں جو غریبوں کی جھونپڑیوں کی بجائے زیادہ تر امیروں کے گھروں میں پائے جاتے ہیں، بجائے اس کے کہ سب سے محتاج اور غریب لوگوں کے گھروں میں جائیں، جنہیں ہماری مدد کی سب سے زیادہ ضرورت ہے؟ ہم میں سے بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روزانہ محتاج اور نہایت غریب لوگوں کے درمیان رہ کر اُنہیں زندگی اور نجات کا راستہ سکھانا ہماری شان کے خلاف ہے، جیسے ہمیں صرف امیروں ہی کی جانوں کی ذمہ داری سونپی گئی ہو !

افسوس ! آخر ہمارے پاس غرور کرنے کے لیے ہے ہی کیا؟ کیا اپنے جسم پر غرور کرے؟ یہ تو جانوروں ہی جیسے مادّے سے بنا ہے، اور کیا تھوڑی ہی مدت میں یہ ایک بدبودار لاش نہیں بن جائے گا؟ کیا ہم اپنی روحانی نعمتوں پر فخر کریں؟ حالانکہ جتنا ہم اُن پر غرور کرتے ہیں، اتنا ہی ہمارے پاس فخر کرنے کی وجہ کم رہ جاتی ہے۔ جب فضل کی اصل پہچان ہی عاجزی ہو، تو اس پر غرور کرنا کتنی بڑی بے وقوفی ہے۔

کیا ہم اپنے علم اور پڑھائی پر ناز کریں؟ اگر ہمیں ذرا بھی علم حاصل ہے تو ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ عاجزی کی کتنی بڑی وجہ ہمارے پاس ہے۔ اور اگر ہم دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں، تو ہمیں دوسروں سے زیادہ جھکنا چاہیے۔ سب سے بڑے عالم بھی جو کچھ جانتے ہیں، وہ اُس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جس سے وہ ناواقف ہیں۔ یہ جان لینا کہ بہت سی باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں، اور یہ پہچاننا کہ ہم کتنے جاہل ہیں، اس میں فخر کی کون سی بات ہے؟ پھر یہ بھی سوچو: کیا شیاطین تم سے زیادہ نہیں جانتے؟ تو کیا تم اُس چیز پر غرور کرو گے جس میں شیطان تم سے آگے ہیں؟ ہمارا اصل کام ہی یہ ہے کہ ہم لوگوں کو عاجزی کا بڑا سبق سکھائیں، تو پھر ہم خود کیسے مغرور ہو سکتے ہیں؟ ہمیں عاجزی سیکھنی بھی ہے اور سکھانی بھی، تو کیا ہمیں خود عاجزی اختیار نہیں کرنی چاہیے؟ عاجزی پر فخر کرنے والا واعظ دراصل خود اپنے آپ کو ہی مجرم ٹھہراتا ہے۔ کتنا افسوس ناک ہے کہ اتنا گھناؤنا گناہ ہمیں آسانی سے نظر نہیں آتا، اور بہت سے وہ لوگ جو سب سے زیادہ مغرور ہوتے ہیں، دوسروں میں غرور کو تو فوراً پہچان لیتے ہیں، مگر اپنے اندر اس کا احساس تک نہیں کرتے۔ دنیا ہم میں سے بعض لوگوں کے بارے میں صاف کہتی ہے کہ ان کے دل میں بڑائی کی خواہش ہے، وہ ہمیشہ اُونچی جگہ چاہتے ہیں، ہر جگہ حکم چلانا چاہتے ہیں، ورنہ ان کے ساتھ نہ رہنا آسان ہوتا ہے نہ کام کرنا۔ کسی مشورے میں وہ سچ کی تلاش کے لیے نہیں آتے بلکہ دوسروں کو حکم دینے کے لیے آتے ہیں، حالانکہ بعض اوقات وہی لوگ انہیں سکھانے کے زیادہ لائق ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ان میں ایسا غرور اور حکم چلانے کا مزاج ہوتا ہے کہ ساری دنیا اس کا ذکر کرتی ہے، مگر وہ خود اسے اپنے اندر دیکھنے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔

اے بھائیو! میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنے دلوں کا سنجیدگی سے جائزہ لیں۔ ذرا سوچو: کیا صرف عاجزی کی باتیں کرنا ہمیں بچا لے گا، اگر ہمارے اندر عاجزی نہ ہو؟ یا کیا غرور کے خلاف بولنا ہمیں فائدہ دے گا، اگر ہم خود اسی میں مبتلا ہوں؟ کیا ہم میں سے بہت سے لوگوں کو یہ سوچنے کی سخت ضرورت نہیں کہ اتنے زیادہ غرور کے ساتھ دل کی سچائی کیسے قائم رہ سکتی ہے؟ جب ہم شرابی سے کہتے ہیں کہ اگر وہ پرہیزگار نہ بنا تو نجات نہیں پا سکتا، اور بدکار سے کہتے ہیں کہ اگر وہ پاک دامن نہ بنا تو بچ نہیں سکتا، تو اگر ہم خود مغرور ہوں، تو کیا ہمیں اپنے آپ سے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ اگر ہم عاجز نہ بنے تو ہم بھی نجات نہیں پا سکتے؟ حقیقت یہ ہے کہ غرور شراب نوشی اور بدکاری سے بھی بڑا گناہ ہے، اور عاجزی اتنی ہی ضروری ہے جتنی پرہیزگاری اور پاکدامنی۔

اے بھائیو! سچ یہ ہے کہ آدمی انجیل کی پُرجوش منادی اور بظاہر نیک زندگی کے باوجود بھی، آہستہ آہستہ اور یقین کے ساتھ جہنم کی طرف جا سکتا ہے، بالکل ویسے ہی جیسے کوئی شراب نوشی اور گندگی کے راستے میں جاتا ہے۔ کیونکہ پاکیزگی کیا ہے، اگر یہ خدا کے لیے وقف ہونا اور اُس کے لیے جینا نہیں تو؟ اور ہلاکت کی حالت کیا ہے؟ یہی کہ انسان اپنی خواہشات کے لیے وقف ہو جائے اور صرف اپنے لیے ہی جینے لگے۔ پھر مغرور انسان سے بڑھ کر کون ہوگا جو اپنے لیے زیادہ اور خدا کے لیے کم جیتا ہو؟ کیا غرور واعظ کو اس بات پر نہیں اُبھار سکتا کہ وہ اپنے ہی لیے پڑھے، دعا کرے، وعظ کرے اور جیئے، اب چاہے وہ کام میں دوسروں سے آگے ہی کیوں نہ نظر آئے؟ صرف کام، خود میں صحیح اصول اور مقصد کے بغیر ہمیں راست باز ثابت نہیں کرے گا۔ کام خدا کا ہو سکتا ہے، اور پھر بھی ہم اُسے خدا کے لیے نہیں، بلکہ اپنے لیے کر سکتے ہیں۔

میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے ہر وقت یہ خطرہ رہتا ہے کہ اگر میں خبردار نہ رہا تو میں مسیح کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے پڑھنے، تبلیغ کرنے اور لکھنے لگوں گا، اور یوں جلد ناکام ہو جاؤں گا۔ اس کے باوجود، جب گناہ کی مذمت کی بات آتی ہے تو میں اپنے آپ کو بے قصور نہیں ٹھہراتا، بلکہ گناہ کی مذمت کرتا رہتا ہوں۔

غرض اے بھائیو ! ذرا سوچو کہ خدمت کے کام میں کتنے ایسے پھندے ہیں جو انسان کو خود غرضی کی طرف کھینچ سکتے ہیں، حتیٰ کہ نیکی کے بڑے کاموں میں بھی۔ دیندار کہلانے کی شہرت بھی اتنا ہی خطرناک جال ہے جتنا عالم کہلانے کی شہرت۔ مگر افسوس اُس شخص پر جو اصل دینداری کی بجائے صرف دینداری کی شہرت کو اپنا مقصد بنا لے۔ ''میں تم سے سچ کہتا ہوں، وہ اپنا اجر پا چکے''۔

پہلے زمانے میں، جب علم اور کھوکھلی رسمیں ہی سب کچھ سمجھی جاتی تھیں، غرور کا فتنہ اسی طرف تھا۔ مگر اب، خدا کے بے بیان فضل سے، جب زندہ، عملی اور دل کو لگنے والی منادی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اور دینداری خود قابلِ قدر بن گئی ہے، تو مغرور لوگوں کے لیے فتنہ یہ بن گیا ہے کہ وہ خود کو جوشیلے واعظ اور دیندار آدمی ظاہر کرتے ہیں۔

ہائے ! کتنا شاندار منظر ہوتا ہے کہ لوگ ہمیں سننے کے لیے جمع ہوں، ہمارے الفاظ سے متاثر ہوں، اور اپنی رائے اور جذبات ہم پر وقف کریں ! کتنے بڑے فخر کی بات ہوں اگر ہم علاقے میں سب سے قابل اور نیک آدمی کے طور پر جانے جائیں، اور اپنی روحانی اعلیٰ خصوصیات کے لیے پورے ملک میں مشہور ہوں ! مگر افسوس، اے بھائیو ! تھوڑا سا فضل اور ایسے مواقع مل جائیں تو انسان بظاہر مسیح کے کام کو آگے بڑھانے والوں میں سب سے آگے نظر آنے لگتا ہے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ غرور بھی، بغیر کسی خاص فضل کے، یہ سب کچھ کروا سکتا ہے۔ اس لیے، اپنے بارے میں ہوشیار رہو اور خود پر نظر رکھو، اور اپنی تمام پڑھائی اور محنت کے ساتھ ساتھ عاجزی کو بھی سیکھو۔ کیونکہ جو اپنے آپ کو بلند کرتا ہے وہ پست کیا جائے گا، اور جو اپنے آپ کو پست کرتا ہے وہ بلند کیا جائے گا۔ میں اکثر دیکھتا ہوں کہ تقریباً سب لوگ، چاہے نیک ہوں یا بد، مغرور انسان سے نفرت کرتے ہیں اور عاجز انسان سے محبت کرتے ہیں۔ غرور کی عجیب بات یہ ہے کہ وہ اپنی بدصورتی کو جانتے ہوئے بھی اکثر عاجزی کا سادہ لباس اوڑھ لیتا ہے۔ اسی لیے ہمیں اس سے اور زیادہ خبردار رہنے کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ وہ گناہ ہے جو ہماری جسمانی فطرت میں بہت گہرائی تک جڑا ہوا ہے، اور جسے دل سے نکالنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔

(6)

عاجزی خادم کی قوت ہے یا کمزوری؟

2۔ ہم اپنے آپ کو اس طرح سنجیدگی، خلوص اور محنت کے ساتھ خدا کے کاموں (خدمت) میں نہیں لگاتے، جیسا ہمارے منصب اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے ہونا چاہیے۔

میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ بہت سے خادمین اپنی پوری توانائی کے ساتھ یہ کام کرتے ہیں۔ لیکن افسوس ! ہم میں سے اکثر، حتیٰ کہ وہ بھی جنہیں ہم نیک خدمت گزار سمجھتے ہیں، اپنے کام میں کس قدر ناکام اور لاپرواہ ہیں ! ہم میں سے بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اپنی خدمت کو اس طرح نبھاتے ہیں جیسے اُنہوں نے خود کو مکمل طور پر اسی کام کے لیے وقف کر دیا ہو، اور جو کچھ اُن کے پاس ہے اُسے اسی خدمت کے مقصد کے لیے دے دیا ہو۔ میں یہ سب اس لئے کہہ رہا ہوں، تاکہ آپ دیکھ سکیں کہ یہ اعتراف کس بنیاد پر ہیں، میں ہماری گناہ بھری سستی کی کچھ مثالیں پیش کرتا ہوں:

(i) اگر ہم واقعی خدا اور کلیسیا کی خدمت کے لیے وقف ہوتے تو ہم اپنی پڑھائی میں اتنے لاپروانہ ہوتے:

بہت کم لوگ اتنی محنت کرتے ہیں جتنی عقل کو درست طور پر سمجھانے اور آنے والے کام کے لیے تیار کرنے کے لیے ضروری ہے۔ کچھ خادمین کو تو پڑھائی میں کوئی دل چسپی ہی نہیں ہوتی؛ وہ کبھی کبھار ایک آدھ گھنٹہ پڑھ لیتے ہیں، وہ بھی ایک بوجھ سمجھ کر، اور خوش ہوتے ہیں جب اس ذمہ داری سے جان چھوٹتی ہے۔ کیا علم حاصل کرنے کی فطری خواہش، یا خدا اور روحانی امور کو جاننے کا شوق، یا اپنی بڑی جہالت اور کمزوری کا احساس، یا خدمت کے کام کی بھاری ذمہ داری—کیا ان میں سے کوئی چیز بھی ہمیں پڑھائی کے ساتھ مضبوطی سے جوڑے نہیں رکھ سکتی؟ ایک خادم کے لیے کتنی ہی باتیں ہیں جن کا جاننا ضروری ہے، اُن سے ناواقف ہونا کتنی بڑی کمی ہے، اور اپنے کام میں ہم اس کمی کو کتنا زیادہ محسوس کرتے ہیں، بہت سے خادم صرف اتنا پڑھتے ہیں کہ ایک وعظ تیار ہو جائے، اس سے زیادہ نہیں، حالانکہ پڑھنے کے لیے بے شمار کتابیں ہیں اور جاننے کے لیے بے شمار موضوعات۔ بلکہ وعظ کی تیاری میں بھی

ہم اکثر لاپروا ہوتے ہیں؛ ہم صرف چند سادہ سچائیاں جمع کر لیتے ہیں، مگر یہ نہیں سوچتے کہ اُنہیں کس مضبوط اور مؤثر انداز میں پیش کیا جائے تاکہ وہ لوگوں کے دل اور ضمیر تک پہنچیں۔ ہمیں یہ سیکھنا چاہیے کہ کیسے لوگوں کو قائل کیا جائے، ہر حقیقت کو کیسے دل و دماغ میں اُتارا جائے، اور یہ سب کچھ محض موقع پر بولنے پر نہ چھوڑا جائے، سوائے ضرورت کے حالات میں۔ یقیناً، اے بھائیو، تجربہ یہی سکھاتا ہے کہ کوئی بھی شخص بغیر سخت محنت، مسلسل جدوجہد اور تجربے کے نہ علم والا بنتا ہے اور نہ ہی دانا۔

(ii) اگر ہم واقعی دل سے خدا اور کلیسیا کی خدمت کے لیے وقف ہوتے، تو ہم اس خدمت کو کہیں زیادہ جوش، سنجیدگی اور قوت کے ساتھ سرانجام دیتے:

ہم میں سے ایسے کتنے خادمین ہیں جو پوری طاقت کے ساتھ وعظ کرتے ہیں؟ اور کتنے ایسے ہیں جو ہمیشہ کی زندگی اور ہمیشہ کے عذاب پر کلام اس انداز میں کرتے ہیں کہ سننے والے محسوس کریں کہ یہ بات سنجیدہ اور سچے دل سے کہی جا رہی ہے؟ یہ منظر دیکھ کر دل دکھتا ہے کہ گنہگار، جو روحانی طور پر مردہ اور غافل ہیں، واعظ کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں، مگر کوئی ایسی بات نہیں سنتے جو اُنہیں جگا دے یا زندہ کر دے۔ افسوس! ہم اتنے سست اور نرم لہجے میں کلام کرتے ہیں کہ سوئے ہوئے گنہگار سن ہی نہیں پاتے۔ ہماری بات کا وار اتنا ہلکا ہوتا ہے کہ سخت دل لوگ اُسے محسوس بھی نہیں کرتے۔ اکثر خادم اپنی آواز تک بلند نہیں کرتے اور نہ ہی خود کو سنجیدہ انداز میں کلام کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ اور اگر کبھی آواز بلند ہو بھی جائے، تو بھی کم ہی ہوتے ہیں جن کی بات میں وزن اور گہرائی ہوتی ہے۔ ایسی آواز کا بہت کم ہی فائدہ ہوتا ہے، کیونکہ جب کلام میں طاقت نہ ہو تو لوگ اُسے صرف خالی شور ہی سمجھتے ہیں۔دل کو دکھ ہوتا ہے جب یہ دیکھا جائے کہ بعض خادمین کے پاس بہترین تعلیم ہونے کے باوجود وہ اسے درست اور زندہ انداز میں لوگوں تک نہیں پہنچاتے، اور یوں بات اُنہی کے ہاتھوں بے اثر ہو جاتی ہے۔ اُن کے پاس گنہگاروں کو قائل کرنے کے لیے بہترین مواد ہوتا ہے، پھر بھی وہ اس سے پورا فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ اگر وہ بات کو دل سے لیں تو بہت بھلا کر سکتے ہیں،

مگر وہ یا تو کر نہیں پاتے یا کرنا ہی نہیں چاہتے۔ اے بھائیو ! ہمیں اتنے اہم پیغام کو کتنے صاف، کتنے قریب سے، اور کتنی سنجیدگی سے پہنچانا چاہیے، کیونکہ اس میں ہمارے لوگوں کی ہمیشہ کی زندگی یا ہمیشہ کی موت کا معاملہ ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ ہم سب سے زیادہ جس چیز میں کمزور ہیں وہ یہی سنجیدگی ہے؛ حالانکہ اس کام کے لیے سب سے زیادہ نامناسب چیز یہی ہے کہ ہم ہلکے اور سست لہجے میں کلام کریں؟ کیا ہم خدا کے لیے اور لوگوں کی نجات کے لیے اتنے ٹھنڈے انداز میں کلام کر سکتے ہیں؟ کیا ہم یہ جانتے ہوئے کہ ہمارے سننے والے یا تو بدلیں گے یا ہلاک ہوں گے، اور پھر بھی خدا کے نام پر غنودہ لہجے میں کلام کریں؟ اے بھائیو ! منبر پر جانے سے پہلے اپنے دلوں کو خود جگاؤ، تاکہ تم دوسروں کے دل جگانے کے قابل ہو سکوں۔ یاد رکھو، لوگوں کو یا تو جاگنا ہوگا یا ہلاک ہونا ہوگا، اور سویا ہوا خادم سوئے ہوئے گنہگاروں کو شاید ہی جگا سکے۔

اگرچہ تم خدا کی پاک باتوں کی تعریف عظیم الفاظ میں کرو، پھر بھی اگر انداز ٹھنڈا ہو تو تمہارا طریقہ خود تمہاری بات کی نفی کر دے گا۔ اور اس سے بڑھ کر خدا کے عظیم کلام کی بے قدری کیا ہو سکتی ہے؟ کہ مقدس چیزوں کے بارے میں بے دلی سے کلام کیا جائے۔ اے بھائیو، ہمارے صرف الفاظ ہی سے نہیں، بلکہ اندازِ بیان سے بھی خدا کے کلام کی عظمت ظاہر ہونی چاہیے۔ کیونکہ ہمیں واعِظ 10:9 میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ''جو کام تمہیں کرنے کو ملے، اُسے دل لگا کر اور پوری طاقت کے ساتھ کرو۔''، تو پھر لوگوں کی نجات کے لیے وعظ کرنا تو یقیناً پوری طاقت کے ساتھ ہونا چاہیے۔ مگر افسوس، ایسے خادمین بہت کم ہیں ! حتیٰ کہ اچھے خادمین میں بھی بہت کم ہی کوئی ایسا شخص ملتا ہے جو ایسا سنجیدہ، قائل کرنے والا اور طاقتور انداز میں کلام کرے، کہ لوگ سن کر محسوس کریں کہ وہ واقعی وعظ کر رہا ہے۔ میں تمہیں اس بات کی تلقین نہیں کرتا کہ وعظ ہمیشہ بلند آواز میں ہی کیا کرو، کیونکہ اس سے تمہارا جوش حقیر لگے گا۔ مگر یہ ضرور ہے کہ تمہارے انداز میں ہمیشہ سنجیدگی ہو۔ اور جب بات کا تقاضا ہو (خاص طور پر نصیحت اور دل پر اُتارنے کے وقت) تو اپنی آواز بلند کرو اور پورے اختیار سے کلام کرو۔ لوگوں سے اس طرح کلام کرو جیسے وہ ایسے انسان ہوں

جنہیں ضرور جاگنا ہے، چاہے یہاں یا پھر جہنم میں۔ ایمان کی آنکھ سے لوگوں پر نظر ڈالو، دل میں ہمدردی رکھو، اور سوچو کہ یہ سب ہمیشہ کے لیے یا تو ابدی زندگی میں ہوں گے یا ابدی عذاب میں۔ یہ خیال خود تمہیں سنجیدہ بنا دے گا اور تمہارا دل اُن کی حالت پر پگھل جائے گا۔ جنت اور جہنم جیسے عظیم معاملات پر ایک لفظ بھی ٹھنڈے انداز یا بے پروائی کے ساتھ نہ کہو۔ جو کچھ بھی کہو، لوگوں پر ظاہر ہونا چاہیے کہ تم یہ بات سچے دل اور سنجیدگی سے کہہ رہے ہو۔

یقیناً اے بھائیو ! یہ بہت بڑے کام ہیں، اور تم یہ نہ سمجھو کہ ہلکی پھلکی بات سے کام بن جائے گا۔ نہ ہنسی مذاق سے لوگوں کے پتھر دل ٹوٹے گے، نہ خوش کن کہانیاں سنا کر، اور نہ ہی بناوٹی اور چمک دار تقریروں سے۔ لوگ اپنی سب سے پیاری خواہشات اُس شخص کی آہستہ اور بے جان کلام کی درخواست پر نہیں چھوڑتے جو خود سنجیدہ نظر نہ آئے اور جسے پروا ہی نہ ہو کہ اُس کی بات مانی جائے یا نہیں۔ اگر آپ کہیں کہ یہ کام خدا کا ہے، اور وہ سب سے کمزور وسیلے سے بھی کام کر سکتا ہے، تو میں جواب دوں گا، یہ سچ ہے، وہ کر سکتا ہے؛ لیکن پھر بھی اُس کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ وسائل کے ذریعے کام کرے، اور نہ صرف تبلیغ کا مواد بلکہ تبلیغ کا طریقہ بیان بھی اپنے کام کا ذریعہ بناتا ہے۔ زیادہ تر سننے والوں کے لیے الفاظ کی ادائیگی اور آواز کا اُتار چڑھاؤ بہت اہم ہوتا ہے۔ بہترین بات بھی اگر مؤثر انداز میں نہ کہی جائے تو دل پر اثر نہیں کرتی۔ خاص طور پر اس بات کا خیال رکھو کہ تمہاری بات میں بناوٹ نہ ہو، بلکہ ایسے سادہ اور مانوس انداز میں بات کرو جیسے تم کسی شخص سے آمنے سامنے بات کر رہے ہو۔ غیر فطری، کتابی یا رٹی رٹائی آواز (جیسے کوئی طالب علم سبق سنا رہا ہو) اکثر لوگوں کو متاثر نہیں کرتی۔

اس لیے آؤ، ہم خود کو خدا کے کام کے لیے جگائیں، اور اپنے لوگوں سے اس طرح کلام کریں جیسے اُن کی زندگی کا معاملہ ہو۔ اُنہیں اس طرح بچانے کی کوشش کریں جیسے آگ سے کھینچ کر نکالا جا رہا ہو۔ شیطان محض نرمی سے اپنا قبضہ نہیں چھوڑتا؛ ہمیں گنہگاروں کی جانوں پر محاصرہ کرنا ہوگا، جو اُس کا قلعہ ہیں، اور اُس کی اصل طاقت کو پہچان کر

خدا کے ہتھیاروں سے اُس پر حملہ کرنا ہوگا، اور مسلسل محنت کرنی ہوگی، یہاں تک کہ دراڑ پیدا ہو جائے؛ اور پھر اُنہیں اپنی چالاکیوں سے دوبارہ اُس کی مرمت نہ کرنے دیں۔

چونکہ ہم عقل رکھنے والے انسانوں سے بات کر رہے ہیں، اور وہ اکثر اپنی عقل کو سچائی کے خلاف استعمال کرتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ہمارے وعظ دلائل سے بھرپور ہوں۔ ہمیں کلامِ مقدس اور عقل کی روشنی اس قدر صاف اور بہتر انداز میں پیش کرنی چاہیے کہ بے دین لوگ چاہیں بھی تو حقیقت کو نہ جھٹلا سکیں، جب تک وہ جان بوجھ کر آنکھیں بند نہ کر لیں۔ ایک تقریر جو صرف الفاظ سے بھری ہو، چاہے کتنی ہی خوبصورتی سے مرتب کی گئی ہو، اگر اس میں دلائل کی روشنی اور جوش و جذبہ نہ ہو، تو یہ محض ایک سجی ہوئی لاش یا بے جان تصویر کے برابر ہے۔ وعظ کے وقت روحوں کے درمیان ایک رشتہ بنتا ہے، اور واعظ کی روح سے سننے والوں کی روح تک کچھ منتقل ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے اور اُن کے پاس عقل، ارادہ اور جذبات ہیں، ویسے ہی ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہم اپنی عقل سے دلائل کی پوری روشنی اُن تک پہنچائیں، اور اپنے دل کی گرمی سے اُن کے دلوں میں پاک جذبات روشن کریں۔ جن عظیم سچائیوں کو ہم لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں، اُن کے حق میں خود عقل بھی گواہ ہے، اور وہ خدا کے کلام میں صاف صاف موجود ہیں۔

اس لیے ہمیں ہر طرح کے دلائل سے لیس ہونا چاہیے، تاکہ ہم اُن کی عقل و فہم پر بارش کی مانند برسیں، اور اپنے دلائل اور تنقید کے ذریعے اُن کے فضول اعتراضات کو شرمندہ کریں، اور سچائی کی قوت سے سب کچھ بہا لے جائیں، یہاں تک کہ وہ حق کے آگے جھکنے پر مجبور ہو جائیں۔

(iii) اگر ہم واقعی دل سے خدا اور کلیسیا کی خدمت کے لیے وقف ہیں؟، تو پھر ہمارے اردگرد موجود اُن غریب جماعتوں کے لیے ہمارے دل میں ہمدردی کیوں نہیں جاگتی جن کے پاس کوئی باصلاحیت خادم موجود نہیں؟

ہم کیوں اُن کی مدد نہیں کرتے کہ اُنہیں اچھے اور قابل واعظ مل سکیں؟ اور جب ہماری اپنی ذمہ داریاں ہمیں کچھ مہلت دیں، تو ہم کبھی کبھار خود بھی جا کر اُن کی خدمت کیوں نہیں کرتے؟، ایسے کم علم اور نادان علاقوں میں، جہاں مستقل طور پر تعلیم اور رہنمائی کے ذرائع موجود نہیں ہوتے، اگر واقعی دل سے لوگوں کی تبدیلیِ دل کے لیے وعظ کیا جائے، اور وہ بھی ایسے واعظوں کے ذریعے جو زندہ دل، پُراثر اور قوت والے ہوں، تو یہ وہاں کے لوگوں کے لیے بہت بڑی مدد ثابت ہو سکتا ہے۔

(7)

کیا دنیا کی محبت خادم کی خدمتِ خدا میں رکاوٹ ہے؟

3۔ ہماری کوتاہیوں کی ایک اور افسوسناک نشانی یہ ہے کہ ہم نے خود کو اور اپنی ہر چیز کو اُس طرح خدا کی خدمت کے لیے وقف نہیں کیا جیسے کرنا چاہیے تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اکثر مسیح کے کام اور مفاد کے مقابلے میں اپنے دنیاوی فائدوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اس بات کو میں تین مثالوں سے واضح کروں گا:

(i) خادمین کا حالات کے مطابق اپنا رخ بدل لینا:

میری مراد یہ نہیں کہ خدا کا خادم اپنے حاکموں سے جھگڑیں یا جائز احکامات کی نافرمانی کریں۔ لیکن یہ بڑا عیب ہے کہ بہت سے خادم دنیاوی فائدے کے لیے ہمیشہ اسی گروہ کا ساتھ دیتے ہیں جو اُن کے ذاتی مفاد کو آگے بڑھا سکتا ہو۔ اگر اُنہیں سرکاری فائدے کی اُمید ہو تو وہ حکومت کے ساتھ ہو جاتے ہیں، اور اگر عوامی تعریف اور مقبولیت چاہتے

ہوں تو اُس چرچ کی پارٹی کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں جو اُس وقت زیادہ با اثر ہو۔ افسوس ! یہ ایک وبائی مرض کی مانند ہے۔ کنسٹینٹائن (Constantine) کے زمانے میں جہاں اکثر لوگ درست عقیدہ رکھتے تھے، کتنی جلدی تقریباً سب کے سب آریئن (چوتھی صدی کا ایک بدعتی گروپ جو یہ سکھاتا تھا کہ یسوع مسیح خدا کا ازلی بیٹا نہیں بلکہ ایک مخلوق ہے۔) بن گئے۔ یہاں تک کہ نقائیہ کی کونسل میں شامل بہت سے خادمین بھی اس بدعت سے نہ بچ سکے۔ جب لیبیریس (Liberius) اور یہاں تک کہ عظیم اوسیوس (Ossius) جیسے بڑے خادمین بھی ڈگمگا گئے، جو کئی درست عقائد والی کونسلوں کی قیادت کر چکے تھے، تو کمزور لوگوں سے اور کیا توقع کی جا سکتی تھی؟ اگر دنیاوی فائدہ درمیان میں نہ ہوتا، تو یہ کیسے ممکن تھا کہ ہر ملک میں تقریباً تمام خادم اُسی مذہب کے ہوں جو وہاں سب سے زیادہ طاقتور اور فائدہ مند ہو؟ یونان میں سب یونانی کلیسیا کے ہیں، رومن علاقوں میں زیادہ تر رومن کیتھولک پوپ کے ماننے والے ہیں، ناروے، سویڈن اور ڈنمارک میں تقریباً سب لوتھرن (Lutheran) ہیں، اور دوسرے ممالک میں بھی یہی حال ہے۔

یہ بات عجیب لگتی ہے کہ ایک ملک میں سب کے سب درست ہوں اور دوسرے میں سب کے سب غلط، اگر انسان سچ کی تلاش میں دنیاوی فائدے کو اتنی اہمیت نہ دیتے ، تو عقل کا فرق اور حالات کی مختلف صورتیں تو لازماً مختلف رائے پیدا کرتیں، مگر جیسے ہی بادشاہ یا طاقتور طبقہ کسی ایک سمت چلتا ہے، ویسے ہی زیادہ تر خادم بغیر زیادہ تحقیق کے اُسی سمت مڑ جاتے ہیں۔ ہمارے اپنے ملک (برطانیہ) میں بھی کئی بار ایسا ہوا ہے کہ عام خادمین نے بادشاہ کے ساتھ اپنا مذہب بدل لیا۔ اگرچہ سب نے ایسا نہیں کیا، جس کی گواہی ہمارے شہداء کی تاریخ دیتی ہے لیکن اکثریت نے یہی کیا۔ افسوس کہ یہ کمزوری آج بھی ہمارے ساتھ لگی ہوئی ہے، اور اسی وجہ سے ہمارے مخالفین یہ کہتے ہیں کہ ہماری اصل عبادت اور اجر، عزت اور عہدہ ہیں۔

(ii)۔ ہم دنیاوی چیزوں کو حد سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں، اور اُن ذمہ داریوں سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں جو ہمارے دنیاوی فائدے کو نقصان پہنچا سکتی ہوں۔

یہ بات بہت عام ہے کہ بہت سے خادم خود کو دنیاوی کاموں میں اس قدر الجھا لیتے ہیں کہ اصل خدمت کے لیے نہ وقت بچتا ہے اور نہ دل۔ بہت سے لوگ ویسے ہی خادم بن گئے ہیں جیسے بعض لوگ ہمیں دیکھنا چاہتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ خادم کو روزی روٹی کے لیے کھیتی باڑی کرنی چاہیے اور بغیر زیادہ مطالعے کے منادی کرنی چاہیے، کیونکہ یہ ایک آسان کام ہے۔ افسوس یہ ہے کہ بہت کم لوگ اس فکر میں ہوتے ہیں کہ اُن کی اپنی روح اور کلیسیا پوری توجہ کی مستحق ہیں۔

خاص طور پر وہ فرائض اکثر نظرانداز کر دیے جاتے ہیں جن پر عمل کرنے سے آمدنی کم ہونے کا خدشہ ہو۔ مثال کے طور پر، کیا بہت سے ایسے نہیں جو اپنی کلیسیا میں نظم و ضبط قائم کرنے کی ہمت نہیں کرتے، صرف اس ڈر سے کہ کہیں لوگ ناراض ہو کر اپنا چندہ یا واجب رقم دینا نہ چھوڑ دیں؟ وہ گنہگاروں کو تنبیہ نہیں کرتے، کیونکہ اُنہیں اپنی آمدنی کا نقصان دکھائی دیتا ہے۔

میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگوں کے لیے پیسہ ایسا مضبوط بہانہ بن جاتا ہے کہ وہ اس کا کوئی جواب نہیں دے پاتے، حالانکہ یہی لوگ منبر سے یہ کہتے ہیں کہ ''دولت سے محبت ہر برائی کی جڑ ہے'' اور لالچ کے خطرات پر لمبی لمبی تقریریں بھی کرتے ہیں۔ فی الحال ان کے لیے میں صرف یہ کہوں گا کہ اگر شمعون جادوگر کے لیے یہ اتنا بڑا گناہ تھا کہ اُس نے خدا کی نعمت کو پیسوں سے خریدنے کی کوشش کی، تو پھر خدا کی نعمت، اُس کے کام، اور انسانوں کی روحوں کو پیسوں کے بدلے بیچ دینا کتنا بڑا گناہ ہوگا؟ اور پھر ہمیں کیوں نہ ڈر ہو کہ کہیں ہمارا پیسہ بھی ہمارے ساتھ ہلاک نہ ہو جائے؟

(iii) ہماری کمی یہ ہے کہ ہم خیرات اور نیکی کے کاموں میں کمزور ہیں، اور جو کچھ خدا نے ہمیں دیا ہے اُسے اپنے آقا کی خدمت میں پوری طرح استعمال نہیں کرتے۔ اگر دنیاوی فائدہ مسیح اور کلیسیا کے

فائدے پر غالب نہ آئے، تو یقیناً زیادہ تر خادم نیک اعمال میں زیادہ پھلدار ہوتے، اور اپنی ہر چیز کو خدا کے جلال کے لیے زیادہ خرچ کرتے۔

تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ خیرات اور نیک اعمال دلوں کی سختی کو توڑ دیتے ہیں اور نیکی کی بات سننے کے لیے لوگوں کے دل کھول دیتے ہیں۔ جب لوگ دیکھتے ہیں کہ آپ واقعی بھلائی کرنے والے ہیں، تو وہ آسانی سے یقین کر لیتے ہیں کہ آپ خود بھی نیک ہوگے، اور جو بات آپ اُنہیں سکھا رہے ہیں وہ بھی نیکی کی بات ہوگی۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ آپ اُن سے محبت کرتے ہیں اور اُن کا بھلا چاہتے ہیں، تو وہ آپ پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ اور جب اُنہیں یہ نظر آتا ہے کہ آپ دنیا کی چیزوں کے پیچھے نہیں لگے، تو وہ آپ کے ارادوں پر شک کم کرتے ہیں اور آسانی سے اسی راہ پر چلنے لگتے ہیں جس کی طرف آپ اُنہیں بلا رہے ہیں۔

کاش خادم دل و جان سے نیکی کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں، اور اپنی صلاحیتوں اور مال کو اسی مقصد کے لیے وقف کر دیں ! یہ مت کہو کہ لوگوں کے جسمانی طور پر مدد کرنا کوئی معمولی بات ہے، یا یہ کہ اس سے لوگ ہمیں تو پسند کریں گے مگر خدا کی طرف نہیں آئیں گے؛ کیونکہ لوگوں کی تبدیلی میں سب سے بڑی رکاوٹ تعصب اور بدگمانی ہوتی ہے، اور یہ نیک اعمال اُسے دور کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ اگر لوگ ہم سے سیکھنے پر آمادہ ہو جائیں، تو ہم اُنہیں بہت فائدہ پہنچا سکتے ہیں؛ اور یہ بھلائی اُنہیں سیکھنے کے لیے تیار کر دیتی ہے، پھر ہماری مزید محنت اُن کے لیے فائدہ مند ہو سکتی ہے۔ اے بھائیو ، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ یہ نہ سمجھو کہ آپ سے صرف معمولی خیرات اور معمولی پرہیزگاری کی توقع ہے۔ کیونکہ جس قدر خدا نے آپ کو نعمتیں دی ہیں، اُسی قدر آپ کو دوسروں سے بڑھ کر بھلائی کرنی چاہیے۔ کسی غریب کو تھوڑی سی رقم دینا کافی نہیں، کیونکہ یہ کام تو دوسرے بھی کر لیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ اپنے مال و دولت سے اپنے مالک کی خدمت کے لیے کیا خاص کام کرتے ہیں؟

میں جانتا ہوں کہ آپ وہ چیز نہیں دے سکتے جو آپ کے پاس نہیں؛ لیکن میرا خیال ہے کہ جو کچھ بھی آپ کے پاس ہے، وہ خدا کے لیے وقف ہونا چاہیے۔ مجھے معلوم ہے کہ سب سے بڑا اعتراض یہی کیا جاتا ہے کہ:

''ہم پر بیوی بچوں کی ذمہ داری ہے؛ تھوڑا سا اُن کے لیے کافی نہیں، اور ہم اس کے پابند نہیں کہ اُنہیں محتاج چھوڑ دیں''۔ اس کا جواب میں یوں دوں گا کہ:

[1] پاک کلام کی چند آیات ایسی ہیں جن کا بہت زیادہ غلط استعمال کیا جاتا ہے، اور اُن میں رسول کا یہ قول بھی شامل ہے کہ ''اگر کوئی اَپنوں اور خاص کر اپنے گھرانے کی خبرگیری نہ کرے تو اِیمان کا مُنکر اور بے اِیمان سے بدتر ہے''۔ اس آیت کو اکثر اس بہانے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے کہ آدمی دولت جمع کرے اور آنے والی نسلوں کے لیے بڑا سرمایہ چھوڑ جائے، حالانکہ رسول کا مقصد یہ ہرگز نہیں تھا۔ وہ تو اُن لوگوں کی مذمت کر رہا تھا جو اپنے غریب رشتہ داروں اور اہلِ خانہ کا بوجھ کلیسیا پر ڈال دیتے تھے، حالانکہ وہ خود اُن کی کفالت کرنے کے قابل ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر، اگر کسی شخص کے گھر میں اُس کی بیوہ ماں یا بیٹی موجود ہو، اور وہ چاہے کہ اُس کی کفالت محلہ یا کلیسیا کرے، حالانکہ اُس کے پاس خود کافی وسائل ہوں، تو رسول ایسی ہی روش کے خلاف بات کر رہا ہے۔ آیت کے اگلے الفاظ بھی صاف بتاتے ہیں کہ رسول موجودہ ضرورت کی بات کر رہا ہے، نہ کہ مستقبل کے لیے بڑی بڑی جمع پونجی بنانے کی۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ ''اگر کِسی اِیمان دار عَورت کے ہاں بیوائیں ہوں تو وُہی اُن کی مدد کرے اور کلِیسیا پر بوجھ نہ ڈالا جائے تاکہ وہ اُن کی مدد کر سکے جو واقِعی بیوہ ہیں''۔

[2] آپ اپنے بچوں کی ایسی تعلیم و تربیت کریں، جیسی عام طور پر لوگ کرتے ہیں، تاکہ وہ کسی جائز پیشے یا کام کے ذریعے اپنی روزی خود کما سکیں، بغیر اس کے کہ اُن کے لیے بڑی دولت جمع کی جائے۔

میں جانتا ہوں کہ آپ کی محبت اور ذمہ داری کا آغاز گھر سے ہونا چاہیے، مگر وہیں ختم نہیں ہو جانا چاہیے۔ آپ پر فرض ہے کہ آپ اپنے بچوں کو بہتر سے بہتر تعلیم دیں تاکہ وہ خدا کے لیے زیادہ مفید ثابت ہو سکیں؛ لیکن یہ ضروری نہیں کہ آپ اُنہیں امیر چھوڑیں، یا صرف اُن کے لیے زیادہ جمع کرنے کی خاطر خیرات اور ضروری نیک اعمال کرنے ہی چھوڑ دیں۔ اپنے خاندان کے لیے خرچ اور مسیح کی کلیسیا کے لیے خرچ، ان دونوں میں توازن ہونا چاہیے۔ جو دل واقعی خیرات کرنے والا اور خود کو اور اپنی ہر چیز کو خدا کے لیے وقف کر چکا ہو، وہی اس بات کا صحیح فیصلہ کر سکتا ہے کہ کہاں خرچ کرنا خدا کی زیادہ خدمت کا سبب بنے گا۔ ایسا دل دیکھ لے گا کہ کون سا خرچ خدا کے جلال کے لیے زیادہ مفید ہے، اور وہی راستہ اختیار کرے گا۔

[3] میں یہ مانتا ہوں کہ کسی انسان کو زیادہ عرصے تک ایسی آزمائشوں میں نہیں ڈالنا چاہیے جو اُسے گناہ میں گرا دیں، کیونکہ اس سے وہ خود بھی زخمی ہوتا ہے اور اُس کی خدمت بھی بدنام ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی، مجھے یہ بات سخت محسوس ہوتی ہے کہ لوگ جسمانی خواہشات کو قابو میں لانے کی اتنی بھی کوشش نہ کریں کہ وہ غیر شادی شدہ رہ کر زندگی گزار سکیں، تاکہ بیوی بچوں کی ذمہ داریاں اُنہیں خیرات اور خدمت کے بڑے کاموں سے نہ روکیں۔ پاک کلام کے مطابق غیر شادی شدہ رہنے والا، شادی شدہ سے بہتر ہے، اسی لیے خدا کے خادمین کو بھی چاہیے کہ وہ بہتر راستہ اختیار کرنے کی کوشش کریں۔ اور اگر کوئی اس بات کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ غیر شادی شدہ رہے، تو اُسے اس راستے کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ رومن کیتھولک کلیسیا کی پالیسی کا ایک بڑا نکتہ رہا ہے کہ بشپ، پادری اور دیگر مذہبی خادمین شادی نہ کریں، تاکہ نہ تو اُن کی اولاد کلیسیا کے وسائل استعمال کرے اور نہ ہی اُن کی توجہ تقسیم ہو۔ اس طرح وہ اپنی زندگی میں بھی کلیسیا کے کام کے لیے خود کو وقف رکھتے ہیں، اور مرنے کے بعد بھی اپنی ہر چیز اُسی کے لیے چھوڑ جاتے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ایک بہتر اور سچی وجہ کے لیے بھی ہم اتنی خودسپردگی اور قربانی کی مثال اختیار نہیں کر پاتے، جہاں یہ ممکن ہو۔

[4] جو لوگ شادی کرنا ضروری سمجھتے ہیں، اُنہیں چاہیے کہ ایسی شریکِ حیات اختیار کریں جو خود اور اپنے بچوں کی کفالت کر سکیں، یا کم از کم اتنی سادگی سے زندگی گزاریں جتنی اُن کے دنیاوی وسائل اجازت دیتے ہوں، تاکہ کلیسیا کے وسائل میں سے جتنا ممکن ہو، کلیسیا کی خدمت کے لیے وقف کیا جا سکے۔

میرا مقصد کسی کو سخت انتہاؤں کی طرف لے جانا نہیں ہے، لیکن اس معاملے میں انسان کی فطرت حتیٰ کہ نیک لوگوں کی بھی اتنا جھکاؤ رکھتی ہے کہ وہ اپنی اصل ذمہ داریوں کو، جو حقیقت میں بہت بڑی اور بھاری ہیں، ''انتہا پسندی'' سمجھنے لگتے ہیں۔ اگر دنیا کی چمک دمک ہماری آنکھوں کو اندھا نہ کر دے، تو ہم صاف دیکھ سکتے ہیں کہ کب ہمیں کسی بڑے اور اجتماعی فائدے کے لیے اپنے اور اپنے گھر والوں کے آرام کو قربان کرنا چاہیے۔

آخر ہم کیوں دنیا میں زیادہ آسائش اور فراوانی کے ساتھ جئیں، اگر اس کے بدلے وہ بڑے نیک کام رہ جائیں جو کہیں زیادہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں؟ مگر ہم اپنے فرائض کے بارے میں جسمانی خواہشات سے مشورہ کرتے ہیں، اور ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ وہ ہمیں کیا مشورہ دیں گی۔ وہ کہیں گی کہ ''ہمیں ایک مناسب معیارِ زندگی چاہیے'' اور افسوس کہ بہت سے نیک سمجھے جانے والے لوگوں کا یہ ''مناسب معیار'' اُس امیر آدمی سے کچھ ہی کم ہوتا ہے جس کا ذکر یسوع مسیح نے اپنی تمثیل میں کیا ہے (لوقا 19:16)۔ اگر اُنہیں بہترین کپڑے اور روزانہ عمدہ کھانا نہ ملے تو وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے پاس ''کافی'' نہیں ہے۔ جو شخص ابدی تاج کی منادی کرتا ہے، اُسے عارضی دنیاوی دکھاوے کے پیچھے زیادہ نہیں بھاگنا چاہیے۔ اور جو شخص دولت سے بے رغبتی کا پیغام دیتا ہے، اُسے اپنی زندگی سے بھی یہی بات ظاہر کرنی چاہیے۔ جو خادم خود انکارِ نفس اور خواہشات کے مارنے کی تعلیم دیتا ہے، اُسے چاہیے کہ وہ یہ خوبیاں لوگوں کے سامنے خود بھی عمل میں دکھائے، تاکہ اُس کی بات پر یقین کیا جائے۔

ہر مسیحی مقدس ٹھہرایا گیا ہے، اس لیے وہ خود بھی اور اُس کی ہر چیز بھی ''خداوند کے استعمال'' کے لیے مخصوص ہے۔ لیکن خادم تو دوہری طرح سے خدا کے لیے وقف ہوتے ہیں: ایک مسیحی ہونے کے ناتے، اور دوسرا خادم ہونے کے ناتے۔ اس لیے وہ دوہری ذمہ داری رکھتے ہیں کہ جو کچھ اُن کے پاس ہے اُس سے خدا کی عزت کریں۔

اے بھائیو! ہمارے سامنے نیکی کے بے شمار مواقع ہیں، مگر ہم اُن میں سے بہت کم پر ہاتھ ڈالتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ دنیا ہم سے ہماری حیثیت سے زیادہ توقع رکھتی ہے؛ لیکن اگر ہم بے جا توقعات پوری نہیں کر سکتے، تو کم از کم خدا، اپنے ضمیر، اور انصاف پسند لوگوں کی توقعات تو پوری کریں۔ کیونکہ خدا کی مرضی یہ ہے کہ ہم نیکی کر کے نادان لوگوں کی لاعلمی کو خاموش کر دیں۔ خاص طور پر وہ خادم جن کی آمدنی زیادہ ہے، اُنہیں نیکی میں بھی زیادہ ہونا چاہیے۔ میں اس وقت صرف ایک مثال دیتا ہوں: بعض خادم ایسے ہیں جنہیں سالانہ بڑی تنخواہیں ملتی ہیں، اور اُن کی جماعتیں بھی بہت بڑی ہوتی ہیں، مگر وہ اتنا کام نہیں کر پاتے کہ اپنی خدمت کے چوتھائی حصے کو بھی پورا کر سکیں۔ نہ وہ سال میں ایک بار بھی اپنے آدھے لوگوں سے ذاتی طور پر مل کر اُن کی رہنمائی کر پاتے ہیں۔ پھر بھی وہ صرف عوامی وعظ پر اکتفا کر لیتے ہیں، گویا یہی سب کچھ کافی ہو، اور باقی ضروری کام چھوڑ دیتے ہیں، حالانکہ اس سے بے شمار جانیں ہمیشہ کے خطرے میں پڑ جاتی ہیں، صرف اس لیے کہ وہ ایک یا دو محنتی اور قابل مددگار خادم رکھنے پر خرچ نہیں کرنا چاہتے۔ اور اگر کسی کو رکھتے بھی ہیں تو وہ اکثر کوئی کم تجربہ کار نوجوان ہوتا ہے، جو نہ تو پوری طرح اہل ہوتا ہے اور نہ ہی پوری دلجمعی سے کلیسیا کی نگرانی کر سکتا ہے، اور نہ لوگوں کو وہ ذاتی تعلیم دے سکتا ہے جو بہت ضروری ہے۔ اگر یہ خدا کی خدمت چھوڑ کر اپنی خدمت کرنا نہیں، اور دنیا میں زیادہ آرام کے بدلے انسانوں کی جانیں بیچنا نہیں، تو پھر کیا ہے؟ مجھے تو ڈر لگتا ہے کہ ایسے لوگ، جو انسانوں کی نظر میں اچھے واعظ اور نیک خادم سمجھے جاتے ہیں، کہیں مسیح کی نظر میں بے رحم ''جانوں کے قاتل'' نہ ٹھہریں؛ اور کہیں اُن جانوں کی چیخیں، جنہیں اُنہوں نے ہلاکت کے حوالے کیا، ہمیشہ اُن کے کانوں میں نہ گونجتی رہیں۔

کیا صرف اچھا وعظ دے دینا کافی ہے، جبکہ آپ لوگوں کی مزید خبر ہی نہ لیں، اور وہ گہری اور ذاتی مدد نہ دیں جو اُن کے لیے ضروری ہے، اور وہ وسائل اپنی آسائش پر خرچ کر دیں جو بہت سی جانوں کی مدد کے لیے ہونے چاہئیں؟ پھر آپ ظالموں کے خلاف کیسے بول سکتے ہیں، جب خود آپ جسموں پر ہی نہیں بلکہ جانوں پر بھی ظلم کر رہے ہوں؟ آپ بے رحمی کے خلاف کیسے وعظ کر سکتے ہیں، جب آپ خود بے رحم ہوں؟ اور بے وفا خادموں کے خلاف کیسے بات کر سکتے ہیں، جب آپ خود اپنی ذمہ داری میں بے وفا ہوں؟ یہ گناہ اس لیے چھوٹا نہیں ہو جاتا کہ لوگ اسے دیکھ نہیں پاتے، یا اس لیے کہ دنیا کی نظر میں یہ برا نہیں لگتا، یا اس لیے کہ جن خیرات کو آپ روکے رکھتے ہیں اُس پر لوگ آپ کو ملامت نہیں کرتے۔ شیطان، جو اُن لوگوں کا سب سے بڑا دشمن ہے اُن کی ہلاکت کے کام میں بھی اُن کی رضا کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ اس لیے یہ کوئی صفائی نہیں کہ لوگوں کی رضا آپ کے ساتھ ہے؛ کیونکہ اکثر لوگ اپنی ابدی بھلائی کے مقابلے میں اپنی ابدی ہلاکت پر جلد راضی ہو جاتے ہیں۔

اب، اے بھائیو، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اِن باتوں پر سنجیدگی سے غور کریں۔ اور دیکھیں کہ کیا یہی انجیل کے خادمین کا سب سے بڑا اور افسوسناک گناہ نہیں کہ ہم پوری طرح خدا کے لیے وقف نہیں ہوتے، اور اپنے آپ کو اور اپنی ہر چیز کو اُس مبارک کام کے لیے نہیں دیتے جو ہم نے اختیار کیا ہے؟ کیا اپنی خواہشات کو خوش کرنا، خود کو فائدہ پہنچانا، اور مسیح کے مفاد سے الگ اپنا مفاد رکھنا ہمیں بہت سی ذمہ داریوں سے غافل نہیں کر دیتا؟ کیا ہم خدا کی خدمت کے سب سے سستے اور تعریف پانے والے حصے کو تو اختیار نہیں کر لیتے، مگر اُس خدمت سے پیچھے نہیں ہٹتے جو ہمیں قربانی اور تکلیف میں ڈال دے؟ کیا یہ سب اس بات کا ثبوت نہیں کہ ہم میں سے بہت سے لوگ بظاہر روحانی دکھائی دیتے ہیں مگر حقیقت میں دنیاوی ہیں؟ ہم کلیسیا کے منبر سے آسمان کی باتیں بیان کرتے ہیں، جبکہ ہمارے دل دنیا کی چیزوں میں لگے ہوتے ہیں؛ ہم دنیا کو حقیر کہنے کی دعوت دیتے ہیں، مگر خود اُسے معبود بنا لیتے ہیں۔ جیسا کہ

سالویان (Salvian of Marseilles) نے کہا ہے کہ ''جو خدا پر کسی اور چیز کو ترجیح دیتا ہے، وہ اپنی نجات کو سب سے زیادہ نظر انداز کرتا ہے''۔ جو خدا کو حقیر جانتے ہیں، وہ آخرکار اپنی نجات کو بھی حقیر جانیں گے۔

(8)

فرقہ بندی غیرتِ ایمانی ہے یا خود پسندی کی ایک شکل؟

4۔ ہم پوری کلیسیا کی یکجہتی اور امن کو کم اہمیت دینے کے بڑے قصوروار ہیں۔ مشکل سے کوئی ایسا شخص ملتا ہے جو زبان سے کلیسیا کی یکجہتی اور امن کی حمایت نہ کرے، یا کھل کر اس کے خلاف بات کرے؛ لیکن بہت کم لوگ ایسے ملتے ہیں جو واقعی دل سے اس یکجہتی اور امن کو بڑھانے کی کوشش کرتے ہوں۔ اس کے برعکس، اکثر لوگ اس سے دور بھاگتے ہیں، اس پر شک کرتے ہیں، بلکہ بعض خود ہی تفرقہ ڈالنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ رومی پوپ کے ماننے والوں نے ''کیتھولک یعنی عالمگیر کلیسیا'' کے نام کا اتنا غلط استعمال کیا ہے کہ اُن کی مخالفت میں بہت سے لوگ یا تو لفظ کیتھولک کو اپنے عقیدے سے ہی نکال دیتے ہیں، یا صرف اُسکا نام رکھتے ہیں مگر نہ تو اس کی حقیقت کو سمجھتے ہیں اور نہ اس پر غور کرتے ہیں؛ یا یہ سمجھتے ہیں کہ بس یہ مان لینا ہی کافی ہے کہ ایسی کوئی کلیسیا موجود ہے، چاہے وہ خود اس کے سچے رکن بن کر زندگی نہ بھی گزاریں۔ اگر رومی پوپ کی کلیسیا والوں نے کلیسیا کو بت بنا لیا یا حد سے زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا، تو کیا ہمیں اس وجہ سے کلیسیا کا انکار کر دینا چاہیے، اسے نظر انداز کرنا چاہیے، یا اس میں مزید تقسیم پیدا کرنی چاہیے؟ یہ پورے مسیحی عالم کا ایک بڑا اور عام گناہ ہے کہ لوگ مذہب کو فرقہ بندی کی شکل میں اختیار کر لیتے ہیں، اور پوری کیتھولک یعنی عالمگیر کلیسیا سے محبت اور نرم دلی رکھنے کی بجائے اپنی محبت اور احترام کو صرف اپنے ہی فرقہ تک محدود رکھتے ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ ہمیں اپنی سوچ اور رفاقت میں پاکیزہ حصوں کو ناپاک حصوں پر ترجیح دینی چاہیے، اور کسی کے گناہوں میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن جو حصے کمزور اور بیمار ہیں، اُن کے ساتھ

ہمدردی کرنا اور اپنی پوری استطاعت کے مطابق اُن کی مدد کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ جہاں تک خدا کا کلام اجازت دے، وہاں تک رفاقت قائم رکھنی چاہیے، اور صرف شدید مجبوری کی صورت میں ہی اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسے ہم اپنے محلے کے اُن لوگوں سے محبت کریں جو وبا یا طاعون جیسے مرض میں بتلا ہوں، اور اُنہیں ہر ممکن مدد دیں، اور اُن کے ساتھ اپنے تمام جائز تعلقات تسلیم کریں اور بھلائی کریں، اگرچہ ہم اُن کے ساتھ روزمرہ میل جول نہیں رکھ سکتے۔ اور جو بیماریاں اتنی متعدی نہ ہوں، اُن میں تو ہمیں اور زیادہ اُن کے قریب ہونا چاہیے، کیونکہ جتنا زیادہ وہ محتاج ہوں، اتنی ہی زیادہ ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اُن کی مدد کریں۔

جو لوگ اپنے آپ کو ''عالمگیر کلیسیا'' (یعنی کیتھولک چرچ) کا رکن کہتے ہیں، اُن میں سے بہت کم ہی ایسے ہوتے ہیں جن میں واقعی عالمگیر سوچ اور دل ہو۔ اکثر لوگ پوری کلیسیا کا خیال اور احترام نہیں رکھتے، بلکہ اپنے ہی فرقہ کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ کوئی خود کو لوتھرن کہتا ہے، کوئی کیلونیسٹ ہے، اور انہی میں مزید چھوٹے چھوٹے فرقے بنے ہوئے ہیں، اور یہی حال ہمارے دوسرے فرقوں کا بھی ہے۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ اپنے ہی فرقہ کی ترقی کے لیے بڑی شدت سے دعائیں کرتے ہیں، اور جب ان کا فرقہ خوشحال ہوتا ہے تو خوشی مناتے اور شکر ادا کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی دوسرا فرقہ مصیبت میں ہو، تو وہ اُسے کلیسیا کا نقصان نہیں سمجھتے، جیسے کلیسیا کو اس سے کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو۔ اگر کوئی کلیسائی فرقہ بہت ہی چھوٹا ہو، جس کے پیرو کار نہ زیادہ ممالک ہوں اور نہ ہی زمین پر زیادہ شہر، تو بھی وہ اپنے آپ کو یوں پیش کرتا ہے جیسے وہ اکیلا ہی مسیح کی مکمل کلیسیا ہو، اور یہ سمجھتا ہے کہ کلیسیا کی بھلائی اسی میں ہے کہ اس کا اپنا فرقہ اچھا چل رہا ہو۔ ہم پوپ کو اس بات پر مخالفِ مسیح کہتے ہیں کہ وہ کلیسیا کو صرف رومی دائرے میں محدود کرتا ہے، اور یقیناً یہ ایک نہایت بُری تقسیم ہے۔ لیکن افسوس! ہم میں سے بہت سے لوگ، اُس کی مذمت کرتے ہوئے بھی، خود اسی روش پر چل رہے ہیں۔ جیسے رومی لوگ اپنے عقیدے میں ''رومن'' کا لفظ شامل کر کے

عالمگیر کلیسیا کو ''رومن کیتھولک کلیسیا'' کا نام دیتے ہیں، جیسے اُن کے سوا کوئی اور کیتھولک ہی نہیں، اسی طرح بہت سے دوسرے لوگ بھی کلیسیا کو اپنے اپنے فرقے تک محدود کرتے ہیں۔

کوئی اسے ''لوتھرن کیتھولک کلیسیا'' کہتا ہے، کوئی ''اصلاحی (ریفارمڈ) کیتھولک کلیسیا''، کوئی ''اناپٹسٹ کیتھولک کلیسیا''، اور کوئی کسی اور نام سے۔ یہاں تک کہ اگر وہ اپنے ہی فرقے کے اندر کسی اختلاف کا شکار نہ بھی ہوں، تب بھی اُنہیں اس بات کی کوئی خاص فکر نہیں ہوتی کہ وہ باقی تقریباً پوری مسیحی دنیا سے کٹے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے فرقے کے امن کو ہی کلیسیا کا امن سمجھتے ہیں، اور اسی لیے یہ حیرت کی بات نہیں کہ اُن کی سوچ اور کوششیں اسی حد تک محدود رہ جاتی ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو، جو کلیسیا کے زخموں پر واقعی تڑپتا ہو، جو اُنہیں اپنا درد سمجھے، یا جس نے کبھی سنجیدگی سے اُن کے علاج کے بارے میں سوچا ہو۔ اکثر تو ہر فرقہ یہی سمجھتا ہے کہ باقی سب کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ ہمارے پاس آجائیں۔ اور چونکہ وہ ہمارے خیال کے مطابق نہیں ہوتے، اس لیے کہا جاتا ہے: ''اُنہیں ختم کر دو!'' اور جب اُن کے زوال کی خبر ملتی ہے تو خوش ہوتے ہیں، یہ سمجھتے ہوئے کہ کلیسیا کی ترقی اسی میں ہے یعنی اپنے فرقے کی ترقی میں۔

بہت کم ہی ایسے لوگ ہیں جو مختلف فرقوں کے درمیان اصل اختلافات کو صحیح طور پر سمجھتے ہوں، یا یہ پہچانتے ہوں کہ کتنے اختلاف صرف الفاظ کے ہیں اور کتنے حقیقی ہیں۔ اور اگر کوئی شخص صحیح معلومات دینے اور میل ملاپ کی کوشش کے لیے یہ باتیں دوسروں کے سامنے رکھے، تو اُسے یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ وہ اُن کی غلطی کو ہلکا کر رہا ہے یا اُن کے گناہ میں شامل ہو رہا ہے۔ اکثر لوگ امن اور اتحاد کے لیے تب ہی جوش دکھاتے ہیں جب وہ عمر رسیدہ ہو جائے، یا جب اُنہیں انسانوں کے مزاج اور خیالات کا زیادہ تجربہ ہو جائے، اور وہ کلیسیا کی اصل حالت اور اختلافات کی حقیقت کو پہلے سے بہتر سمجھنے لگے۔ تب جا کر وہ امن اور میل ملاپ پر لکھتے ہیں، اور آج بھی اس قسم کی بہت سی تحریریں موجود ہیں۔ جس طرح خواہشات اور جذبات کے جوش میں مبتلا نوجوان اخلاقی حکمت کو سمجھنے

کے قابل نہیں سمجھا جاتا، اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ وہی لوگ جو جوانی میں امن اور اتحاد کے مخالف ہوتے ہیں، تجربہ حاصل کرنے کے بعد ہی اس کی قدر کو سمجھتے ہیں۔ اس لیے ایسے امن کے داعی اکثر بہت بڑا عملی فائدہ نہیں پہنچا پاتے، سوائے اس کے کہ وہ اپنا ضمیر مطمئن کر لیں، چند لوگوں کو انتہا پسندی سے بچا لیں، اور اپنی وفات کے بعد ایک ایسی گواہی چھوڑ جائیں جو ایک ضدی، خود پسند اور بے امن دنیا کے خلاف ہو۔

بلکہ اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص صرف صلح اور میل ملاپ کی بات بھی کرے، تو فوراً اس پر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ کسی بدعت کی حمایت کر رہا ہے یا اس کا جوش کمزور ہو گیا ہے۔ گویا کلیسیا کے اتحاد اور امن جیسی بنیادی اور ضروری سچائیوں کے لیے کسی جوش کی ضرورت ہی نہیں، بلکہ جوش صرف فرقوں اور چند مخصوص عقائد کے لیے ہونا چاہیے۔

شیطان نے اس طریقے سے ایک بڑا فائدہ حاصل کیا، کیونکہ اُس نے بعض گمراہ فرقوں کو استعمال کر کے اتحاد اور امن کے نام پر اپنے مفاد کے لیے بہت سی تحریریں لکھوائیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اب جو بھی امن کی بات کرتا ہے، فوراً اس پر شک کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ہی عقائد کی نرمی یا غلطی چھپانا چاہتا ہے۔ یہ بہت خوفناک حالت ہے کہ بدعت کو امن کا علمبردار سمجھا جائے، اور کلیسیا کی بھلائی کے لیے اتنی ضروری ذمہ داری کو شک اور بدنامی میں ڈال دیا جائے۔ اے بھائیو، میں یہ سب باتیں بغیر ٹھوس وجہ کے نہیں کہہ رہا۔

برطانیہ میں ہمارے درمیان جتنی افسوسناک تقسیم پائی جاتی ہے، اتنی شاید دنیا کے بہت کم ملکوں میں ملتی ہو، خاص طور پر اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ اختلاف کرنے والے لوگ خود دیندار ہیں، اور اختلاف کا معاملہ بھی بہت چھوٹا ہے۔ زیادہ تر جھگڑا صرف کلیسیا کے نظم و نسق اور حکمرانی کی شکل پر ہے۔ کیا یہ اختلاف واقعی اتنا بڑا ہے کہ پریسبیٹیرین، ایپسکوپیلین اور انڈیپنڈنٹ آپس میں اتفاق نہ کر سکیں؟ اگر وہ دل سے امن چاہتے ہوں تو ضرور کر سکتے

ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ممکن ہے۔ میں نے ہر فرقے کے کچھ معتدل لوگوں سے بات کی ہے، اور اُن کی باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ باہمی سمجھوتا کوئی مشکل کام نہیں۔ اگر لوگوں کے دل واقعی کلیسیا کی حالت کو محسوس کریں، اگر ایک دوسرے کے لیے سچی محبت ہو، اور اگر وہ خلوصِ دل سے امن کی تلاش کریں، تو ایک محفوظ اور خوشگوار امن قائم کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔ اگر ہم ہر نکتے پر متفق نہ بھی ہو سکیں، تب بھی ہم اپنے اختلافات کو بہت محدود کر سکتے ہیں، اور بنیادی باتوں پر اتفاق رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ رفاقت جاری رکھ سکتے ہیں۔ چند چھوٹے اختلافات کو ایسے محفوظ طریقے سے سنبھالا جا سکتا ہے کہ کلیسیا کو نقصان یا پریشانی نہ ہو۔

لیکن کیا حقیقت میں ایسا ہو رہا ہے؟ نہیں، ایسا نہیں ہو رہا۔ ہمیں شرمندہ ہونا چاہیے کہ یہ کام نہیں ہو سکا۔ چاہے ہر فرقہ آج اپنے آپ کو جتنا چاہے مطمئن کر لے، تاریخ میں یہ بات درج ہو کر رہے گی کہ جب تک دنیا میں انجیل باقی رہے گی، برطانیہ کی کلیسیا کی یہ نا اتفاقی خادمین کے لیے شرمندگی کا سبب بنی رہے گی۔

افسوس کہ اس گناہ کے ساتھ کتنی سنگین باتیں جڑی ہوئی ہیں! مجھے لگتا ہے کہ رسولوں کے زمانے کے بعد شاید ہی کبھی لوگوں نے اتنا زیادہ دینداری کا دعویٰ کیا ہو، جتنا آج کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر لوگ اتحاد اور اصلاح کے لیے سنجیدہ قسموں اور عہدوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ سب امن کی اہمیت کو مانتے ہیں، اور اکثر اس پر وعظ بھی کرتے ہیں اور باتیں بھی، لیکن عملی طور پر اس کے لیے کچھ نہیں کرتے، گویا یہ قابلِ توجہ ہی نہیں۔ وہ ان آیات کو پڑھتے اور وعظ کرتے ہیں جو ہمیں حکم دیتی ہیں کہ ''سب کے ساتھ امن کی پیروی کرو'' اور ''جہاں تک ممکن ہو، امن کے ساتھ رہو''، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ وہ امن کے پیچھے چلتے ہیں اور نہ اس کے لیے پوری کوشش کرتے ہیں۔ بلکہ بہت سے لوگ امن کے خلاف بددل ہو جاتے ہیں، اور جو کوئی بھی امن کو فروغ دیتا ہے، اُس پر الزام لگاتے اور اُسے برا کہتے ہیں، گویا جیسے امن کی کوشش کرنا پاکیزگی کے جوش کو کم کرنا ہو، اور جیسے پاکیزگی اور امن میں کوئی صلح ممکن ہی نہ

ہو۔ حالانکہ طویل تجربہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اتفاق دینداری کا سچا دوست ہے، اور سچی دینداری ہمیشہ اتفاق کی طرف لے جاتی ہے؛ جبکہ غلطیاں اور بدعتیں اختلاف سے جنم لیتی ہیں، اور اختلاف اُنہیں مزید بڑھاتا ہے۔

ہم نے بڑے دکھ کے ساتھ دیکھا ہے کہ جہاں خدا کے خادمین کو ایک دل، ایک جان اور ایک زبان ہو کر رہنا چاہیے تھا، ایک دوسرے کے ایمان اور پاکیزگی کو بڑھانا چاہیے تھا، گناہ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد اور نصیحت کرنی چاہیے تھی، اور آنے والے جلال کی اُمید میں مل کر خوش ہونا چاہیے تھا، وہاں ہم اس کے برعکس ایک دوسرے سے بدگمان رہے، تلخ جھگڑوں میں مقدس محبت کو دبا دیا، ایک دوسرے کو بدنام کرنے اور نیچا دکھانے میں لگے رہے، اور صحیح یا غلط طریقے سے اپنے اپنے فرقوں کو بڑھانے کی کوشش کرتے رہے۔ ہم جو پہلے بھائیوں سے محبت کو اپنے ایمان کی سچائی کی نشانی سمجھتے تھے، اب اسی محبت کو صرف اپنے فرقے تک محدود کر چکے ہیں؛ اور جو ہمارے فرقے سے باہر ہیں، اُن کے لیے محبت سے زیادہ حسد، غصہ اور دشمنی رکھتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ حال سب کا نہیں، اور نہ ہی کسی سچے ایماندار میں غالب ہوتا ہے، لیکن یہ بیماری اتنی عام ہو چکی ہے کہ بہت سے ایسے لوگوں کی سچائی پر سوال اُٹھتا ہے جنہیں وہ خود اور دوسرے بہت مخلص سمجھتے ہیں۔ اور اس آگ میں صرف ہم ہی نہیں جل رہے، بلکہ ہم نے اپنی جماعتوں کو بھی اس میں شامل کر لیا ہے، اور اُنہیں اسی روش پر ڈالا ہے؛ یہاں تک کہ ملک کے زیادہ تر دیندار لوگ گروہوں میں بٹ گئے ہیں، اور اُن کی پرانی دینداری بہت حد تک فضول بحثوں، اختلافی رائے، حسد اور دشمنیوں میں بدل چکی ہے۔

پہلے یہ بات ایک بےدین انسان کی پہچان سمجھی جاتی تھی کہ وہ نیک لوگوں کا مذاق اُڑائے، مگر آج حالت یہ ہے کہ کتنے ہی لوگ چپکے چپکے اُن نیک لوگوں پر طنز اور بہتان لگاتے ہیں جو اُن کی رائے سے مختلف ہیں۔ ایک پرہیزگار پریلیٹیکل شخص شائستگی کے ساتھ ایک پریسبیٹیرین کا مذاق اُڑاتا ہے، اور ایک پریسبیٹیرین ایک انڈیپنڈنٹ کا؛ اور ایک انڈیپنڈنٹ دونوں کا، اور یہی سلسلہ ہر فرقے میں چل رہا ہے۔ اور سب سے افسوسناک بات یہ ہے کہ عام اور کم علم

لوگ یہ سب دیکھتے ہیں۔ وہ نہ صرف ہم پر ہنستے ہیں بلکہ ہمارے رویّے کی وجہ سے دین سے اور بھی زیادہ دور ہو جاتے ہیں۔ جب ہم اُنہیں دینداری کی طرف بلاتے ہیں تو وہ دیکھتے ہیں کہ اتنے زیادہ فرقے ہیں کہ اُنہیں سمجھ نہیں آتی کس کا ساتھ دیں۔ اس لیے وہ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ کسی ایک فرقے میں جانے سے بہتر ہے کہ کسی میں بھی نہ جائیں، کیونکہ اُنہیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ حق کس کے ساتھ ہے۔ یوں ہماری باہمی لڑائیوں کی وجہ سے ہزاروں لوگ ہر طرح کے فرقے سے بدظن ہو گئے ہیں۔ بلکہ بہت سے دنیا دار لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ وہ ہم سے بہتر ہیں، کیونکہ وہ کم از کم اپنی پرانی رسمی دینداری پر قائم تو ہیں، جبکہ ہم آپس میں بٹے ہوئے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ان میں سے بہت سے لوگ علم والے اور قابلِ احترام ہیں، اور ان کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ لوگوں کو گمراہی میں دین سے دور کر دیں۔ وہ یہ نہیں چاہتے کہ لوگ جہالت میں پکے ہو جائیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نتیجہ یہی نکل رہا ہے۔ برے کام میں نیت اچھی ہونا کوئی نئی بات نہیں۔

آخر کون ہے جو کسی انسان کے احترام میں خاموش بیٹھا رہے، جبکہ وہ دیکھ رہا ہو کہ لوگ اپنی تباہی کی طرف جا رہے ہیں، اور خدا کے بندوں کی جانیں علماء کی باہمی لڑائیوں اور گروہی مفادات کی وجہ سے برباد ہو رہی ہیں؟ وہ خدا جو میرے دل کو جانتا ہے، جانتا ہے کہ (اگر میں خود بھی اپنے دل کو پہچانتا ہوں) میں نہ کسی ایک فرقے سے تعلق رکھتا ہوں اور نہ ہی کسی کے خلاف یا کسی کے حق میں فرقہ وارانہ بات کر رہا ہوں، اور نہ ہی کسی شخص سے ذاتی دشمنی رکھتا ہوں۔ اگر ضمیر اجازت دیتا تو میں محض اس ڈر سے خاموش رہتا کہ کہیں میں اُن لوگوں کو ناراض نہ کر دوں جن کا احترام مجھ پر لازم ہے۔ لیکن میں ہوں ہی کیا؟ میں تو مسیح کا خادم ہوں۔ میری زندگی کی کیا قیمت ہے اگر وہ اس کی خدمت میں نہ لگے؟ اور کون سی انسانوں کی خوشنودی کلیسیا کی بربادی کا بدلہ دے سکتی ہے؟ اور کون ہے جو خاموش رہ سکے جب انسانوں کی جانیں برباد ہو رہی ہوں؟ میں تو خاموش نہیں رہ سکتا، جب تک خدا میرا مالک ہے، اُس کا کلام میرا اصول ہے، اُس کا کام میرا مقصد ہے، اور جانوں کی نجات، اُس کے کام کی کامیابی میرا ہدف ہے۔

کون ایسا ہو سکتا ہے جو اس بات پر راضی ہو جائے جو اُس کے مالک کے مفاد کے بالکل خلاف ہو اور اُس کی زندگی کے اصل مقصد کو نقصان پہنچائے؟ میں نے یہ سب کچھ صرف اپنی ہی جماعت کے حوالے سے نہیں کہا، حالانکہ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ہاں یہ مسئلہ بہت سی دوسری کلیسیاؤں کے مقابلے میں کم ہے۔ بلکہ یہ باتیں مجھے آس پاس کی جماعتوں اور دور دراز کے علاقوں کی حالت دیکھ کر کہنے پر مجبور کرتی ہیں۔

ہم ساری زندگی امن اور اتحاد کی باتیں تو کرتے رہ سکتے ہیں، مگر ہم اسے کبھی حاصل نہیں کر سکتے جب تک ہم رسولوں کے سادہ طریقے کی طرف واپس نہ لوٹیں۔ پوپ (رومن کیتھولک) کا عقیدہ اتنا بھاری اور پیچیدہ ہے کہ سب لوگوں کا اس پر متفق ہونا ممکن نہیں، حتیٰ کہ اُن کے اپنے لوگ بھی، اگر وہ آگ، پھانسی اور تشدد کے زور پر لوگوں کو مجبور نہ کریں۔ اور بہت سے پوپ کے مخالف بھی اسی روش کی نقل کرتے ہیں، جب وہ اپنے عقائد کو ضرورت سے زیادہ لمبا کرتے ہیں اور نئے نئے مطالبات لوگوں پر لازم کرتے ہیں، چاہے اُن باتوں کی نوعیت پوپ (رومن کیتھولک کلیسیا) سے مختلف ہی کیوں نہ ہو۔

جب ہم ایک بار پھر ایمان کی اُس قدیم اور سادہ شکل کی طرف لوٹ آئیں گے، تب ہی—اور صرف تب ہی—ہم اُس پرانی محبت اور حقیقی امن کی طرف واپس آسکیں گے۔ اسی لیے میں اپنے تمام بھائیوں کو، کلیسیا کے امن کے لیے سب سے ضروری بات کے طور پر، یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ضروری سچائیوں میں متحد ہوں، اور جن باتوں میں برداشت ممکن ہے اُن میں ایک دوسرے کو برداشت کریں، اور خدا کے مقرر کردہ دائرے سے بڑھ کر نہ تو عقیدے کو وسیع کریں اور نہ ہی لازم امور میں اضافہ کریں۔

اسی مقصد کے لیے، میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ آئندہ ان مندرجہ زیل باتوں پر توجہ دیں:

(1) جن عقائد پر اختلاف ہے، اور جن میں نیک اور خدا ترس لوگ—بلکہ پوری کلیسیائیں—دونوں طرف پائی جاتی ہیں، اُن پر حد سے زیادہ زور نہ دیں۔

(2) اُن جھگڑوں کو بہت زیادہ اہمیت نہ دیں جو آخرکار فلسفیانہ اُلجھنوں میں جا کر ختم ہوتے ہیں، جیسے آزاد مرضی، روح القدس کے کام کرنے کے طریقے، یا الٰہی تقدیر سے متعلق غیر عملی بحثیں۔

(3) اُن اختلافات پر بھی حد سے زیادہ زور نہ دیں جو صرف لفظی ہیں۔ اگر اُن کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ دراصل کچھ بھی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لفظی جھگڑے ہی کلیسیا میں سب سے زیادہ شور مچاتے اور اُسے توڑتے ہیں، حالانکہ زیادہ تر جھگڑنے والے خود بھی اس بات کو نہیں سمجھتے۔

(4) کسی ایسے عقیدے کو بہت اہم نہ بنائیں جسے کلامِ مقدس کے دیے جانے کے بعد کلیسیا نے کسی بھی زمانے میں اجتماعی طور پر قبول نہ کیا ہو، یا جس سے وہ واقف ہی نہ رہی ہو۔

(5) اس سے بھی کم اُن باتوں پر زور دیں جن سے کلیسیا کے زیادہ پاکیزہ اور سمجھ دار ادوار بالکل ناواقف تھے۔

(6) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ایسی بات کو بنیادی عقیدہ نہ بنائیں جسے رسولوں کے بعد کسی ایک دور نے بھی قبول نہ کیا ہو، بلکہ ہر زمانے میں اُس کے برعکس عقیدہ رکھا گیا ہو۔

میں جانتا ہوں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کوئی شخص بائبل اور قدیم عقائد کو مانتے ہوئے بھی سقراطی (Socinian) یا دوسری گمراہیوں میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں میں یہ کہتا ہوں کہ وہ کسی اور آزمائشی معیار کو بھی مان سکتا ہے جو آپ خود گھڑ لیں۔ جب آپ کلیسیا کی رفاقت کے لیے ایک سادہ معیار بنانے کی بجائے بدعتیوں کو پکڑنے کا جال بناتے ہیں، تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بدعتی اپنی چالاکی سے نکل جاتا ہے، اور سادہ دل ایماندار اس جال میں پھنس جاتا

ہے۔ اور جب آپ نئے عقیدے گھڑتے ہیں، تو اگر آپ کلامِ مقدس کے الفاظ سے مضبوطی سے وابستہ نہ رہیں، تو کلیسیا میں نئی تقسیمیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

جو شخص اُس خوشگوار زمانے تک زندہ رہے گا جب خدا اپنی ٹوٹی ہوئی کلیسیاؤں کو شفا دے گا، وہ دیکھے گا کہ جن باتوں کی میں وکالت کر رہا ہوں وہ سب عملی صورت اختیار کر لیں گی۔ اُس وقت نئی نئی تقسیمیں پیدا کرنے والا جوش ختم ہو جائے گا، اور اس کی جگہ اعتدال اور توازن آ جائے گا۔ کلامِ مقدس کی کفایت کا عقیدہ مضبوطی سے قائم ہو گا، اور انسانوں کے بنائے ہوئے عقائد اور تشریحات کو صرف مددگار ذرائع کے طور پر دیکھا جائے گا، نہ کہ کلیسیا کی رفاقت کا معیار، سوائے اس حد تک کہ وہ خود کلامِ مقدس کے عین مطابق ہوں۔ لیکن جب تک وہ شفا کا زمانہ نہیں آتا، ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ شفا دینے والی سچائیاں قبول کی جائیں گی، کیونکہ کلیسیا کی قیادت میں شفا دینے والی روحیں موجود نہیں۔ تاہم جب خدا اس کام کو انجام دینا چاہے گا، تو وہ اس کے لیے مناسب خادم بھی تیار کرے گا۔ اور وہ لوگ مبارک ہوں گے جو ایسے جلالی کام کے ذرائع بنیں گے۔

(9)
خادم کی ذمہ داری اور عملی وفاداری کیا ہے؟

5. آخر میں، ہم ایک اور بڑے گناہ کے بھی مرتکب ہیں، اور وہ یہ ہے کہ ہم اُن ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں سخت کوتاہی کرتے ہیں جنہیں ہم خود مانتے بھی ہیں، مثلاً کلیسیا کی تادیب اور نظم و ضبط۔ جب اصلاح کا کوئی کام شروع کرنے کی بات آتی ہے تو بہت سے لوگ صرف اتنا ہی آگے بڑھتے ہیں جتنا اُنہیں مجبور کیا جائے۔ کاش سب لوگ کم از کم اتنا ہی کر لیں۔ لیکن جب کوئی کام مشکل ہو یا اس میں نقصان، تکلیف یا قربانی شامل ہو، تو ہم فوراً پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور طرح طرح کے بہانے بنا لیتے ہیں۔

برطانیہ میں پچھلے کئی برسوں سے جس بات پر سب سے زیادہ بحث، دعا اور جھگڑا ہوا ہے، وہ کلیسیا کا نظم و ضبط ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا ہو جو اس موضوع پر کسی نہ کسی طرفداری کے ساتھ بحث نہ کرتا ہو: کوئی بشپوں کے نظام کے حق میں ہے، کوئی پریسبیٹرین طریقے کا حامی ہے، اور کوئی کانگریگیشنل (جماعتی نظام) کا۔ لیکن جب عمل کی بات آتی ہے تو، جیسا کہ مجھے دکھائی دیتا ہے، ہم سب ایک بات پر متفق ہیں: یعنی عملاً کسی طریقے پر بھی نہیں چلتے۔

مجھے کئی بار حیرت ہوئی ہے کہ پورے برطانیہ میں بہت کم ایسی جماعتیں ہیں جہاں واقعی کلیسائی نظم و ضبط کسی حد تک بھی نافذ ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ سوچ کر اور بھی تعجب ہوتا ہے کہ اس موضوع پر کتنی موٹی موٹی کتابیں لکھی گئی ہیں، اور ملک کے تقریباً تمام خادم اس کے حق میں بولتے رہے ہیں۔ اُنہوں نے اس کے لیے کتنے زور دار دلائل دیے، اور مخالفت کرنے والوں کے خلاف کتنی سخت باتیں کیں، لیکن اس سب کے باوجود عملی طور پر وہ اس پر بہت کم یا کچھ بھی عمل نہیں کرتے۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ لوگ اُس چیز کے حق میں اتنی شدت سے لڑتے ہیں جس کے خلاف اُن کے اپنے اعمال گواہی دیتے ہیں۔ اب مجھے سمجھ آتا ہے کہ بحث کرنے کا جوش، فرمانبرداری اور عملی تقدس کے جوش سے کہیں زیادہ فطری اور آسان ہے۔

برطانیہ میں کتنے ہی خادم ایسے ہیں جو اپنی ہی جماعت کو ٹھیک طرح نہیں جانتے، یہ تک نہیں بتا سکتے کہ اُن کی کلیسیا کے باقاعدہ رکن کون ہیں۔ اُنہوں نے نہ کبھی کسی ضدی گنہگار کو جماعت سے خارج کیا، نہ کسی کو عوامی توبہ اور اصلاح کے وعدے پر لائے، بلکہ کبھی کسی کو کھلے عام تنبیہ تک نہیں کی کہ وہ توبہ کرے۔ پھر بھی وہ سمجھتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا، بس اس لیے کہ اُنہوں نے ایسے لوگوں کو عشائے ربانی نہیں دی، حالانکہ کئی بار وہ لوگ خود ہی اس سے بچتے ہیں۔ اسی دوران ہم ایسے گنہگاروں کو کلیسیا کا باقاعدہ رکن مانے رکھتے ہیں، اور اُنہیں چرچ کے ساتھ تمام

دیگر رابطے فراہم کرتے ہیں، اور اُن سے ذاتی اور واضح توبہ کا مطالبہ نہیں کرتے۔ حالانکہ کلیسیا کی رکنیت صرف عشائے ربانی میں شریک ہونے کا نام نہیں، ورنہ اُن بچوں کا کیا ہوگا جنہیں بچپن میں بپتسمہ دیا گیا تھا؟

کیا یہ خدا کا مقرر کردہ حکم نہیں کہ گناہ میں پڑے ہوئے لوگوں کو فرداً فرداً تنبیہ کی جائے، اُنہیں نصیحت دی جائے، کھلے طور پر توبہ کا حکم دیا جائے، اور اگر وہ توبہ نہ کریں تو اُنہیں جماعت سے الگ کر دیا جائے؟ اگر یہ سب ہماری ذمہ داریاں نہیں ہیں تو پھر ہم نے ان باتوں پر اتنا شور کیوں مچایا؟ اور اگر یہ واقعی ہماری ذمہ داریاں ہیں تو پھر ہم ان پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ بہت سے لوگ تو خدا کے کلام کو سننے تک سے کتراتے ہیں۔ ابتدائی کلیسیا میں نظم و ضبط کہیں زیادہ سخت تھا۔ مثال کے طور پر، چھٹی جنرل کونسل آف ٹرل نے مقرر کیا تھا کہ ''جو کوئی تین دن (اتوار) مسلسل بغیر ضروری وجہ کے چرچ میں نہ آئے، اُسے کلیسیا سے خارج کر دیا جائے''۔

بھائیو، میرا مقصد کسی فرقے کو ناراض کرنا نہیں، لیکن یہ گناہ ایسے نہیں کہ ان پر پردہ ڈال دیا جائے، یا انہیں بہانوں، کمزوریوں، یا انکار سے چھپایا جائے۔ ہم مدتوں سے کلیسیائی نظم و ضبط کی بات کرتے آئے ہیں، اور ہر فرقہ اپنے اپنے طریقے کی تعریف کرتا ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی کلیسیا کے نظام کو اہم سمجھیں؟ یقیناً چاہتے ہیں۔ لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ اسے اہم سمجھیں، تو اس میں کوئی خوبی بھی ہونی چاہیے۔ پھر وہ خوبی دکھائیں۔ وہ خوبی کیا ہے؟ اور وہ کس بات میں ظاہر ہوتی ہے؟ اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی بات پر یقین کریں، تو اسے صرف کاغذوں میں نہیں بلکہ عمل میں دکھائیں؛ صرف الفاظ میں نہیں بلکہ کاموں میں۔ بغیر عمل کے لوگ نظم و ضبط کی قدر کیسے جانیں؟ کیا یہ سب شور صرف ایک نام اور ایک سایہ کے لیے تھا؟ کوئی چیز جو کوئی بھلائی نہ کرے، اسے بھلا کیسے اچھا سمجھا جائے؟ سچ کہوں تو مجھے ڈر ہے کہ ہم اپنے موقف کو مضبوط کرنے کی بجائے، الٹا کمزور کر رہے ہیں، کیونکہ ہم اس کے لیے گرم جوشی سے بحث تو کرتے ہیں، مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔ صاف صاف بتائیے: کیا نظم و ضبط کی اتنی ساری شہرت اصل میں انہی دو باتوں کی وجہ سے نہیں ہے؟ ایک طرف دیندار لوگ اس لیے اسے مانتے ہیں کہ اُن کے خادم

اس کے حامی ہیں؛ اور دوسری طرف بہت سے بے دین لوگ اس لیے اس کے خلاف نہیں جاتے، کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ اس پر عمل ہی نہیں ہوتا، اور یہ اُن کے لیے نقصان دہ نہیں ۔

اگر کبھی ایسا ہو جائے کہ کلیسیائی نظم و ضبط اُنہی لوگوں کے ووٹوں سے قائم رہے جنہیں اسی نظم و ضبط کے تحت تنبیہ یا جماعت سے نکالا جانا چاہیے تھا، اور بدترین لوگ اس کے حمایتی اس لیے ہوں کہ یہ اُن کی بددیانتی کے لیے رکاوٹ نہیں بنتا، تو پھر ہم خدا کو اپنے خلاف کر لیں گے، اور وہ ہمارے خلاف کھڑا ہو جائے گا۔ اگر پورے ایک ضلع میں، جتنا بھی نظم و ضبط اس سارے عرصے میں نافذ کیا گیا ہے جب سے اس پر اتنا زور دیا جا رہا ہے، سب کو جمع کیا جائے، تو مجھے شک ہے کہ وہ اتنا نمایاں ہوگا کہ دیندار لوگ اسے اس کے نتائج کی وجہ سے پسند کریں۔ پھر آپ کو حیرت کیوں ہو کہ جو لوگ الفاظ نہیں بلکہ عمل چاہتے ہیں، صرف اصلاح کا نام نہیں بلکہ حقیقی اصلاح چاہتے ہیں، وہ آپ کی کلیسیاؤں کو چھوڑ کر الگ جماعتوں کی طرف چلے جاتے ہیں، جب آپ اُنہیں اپنی کلیسیا میں نظم و ضبط کے نام کے سوا کچھ دکھاتے ہی نہیں؟

تمام مسیحی خدا کے مقرر کردہ طریقوں کو اہم سمجھتے ہیں، اور اُنہیں بے فائدہ نہیں جانتے، اسی لیے وہ ان کے بغیر جینا نہیں چاہتے۔ کلیسیا کے لیے نظم و ضبط کوئی غیر ضروری چیز نہیں ہے۔ اگر آپ نظم و ضبط کے ذریعے پاک اور ناپاک میں فرق نہیں کریں گے، تو لوگ یہ فرق علیحدگی اختیار کر کے کریں گے۔ اگر آپ اپنی کلیسیاؤں میں درجنوں بلکہ سینکڑوں ایسے لوگوں کو رکھتے ہیں جو کھلے عام جاہل ہیں، اور جن میں دینداری کا نام و نشان نہیں، اور نہ آپ اُنہیں کبھی کھلے عام (اور شاید نجی طور پر بھی) تنبیہ کرتے ہیں، نہ توبہ کا حکم دیتے ہیں، نہ جماعت سے خارج کرتے ہیں، تو پھر آپ کو تعجب نہیں کرنا چاہیے اگر کچھ خوف زدہ اور حساس دل رکھنے والے لوگ آپ کی کلیسیا کو چھوڑ کر بھاگ جائیں، بالکل ایسے ہی جیسے کوئی ٹوٹتی ہوئی عمارت دیکھ کر نکل جائے، اس ڈر سے کہ کہیں وہ اُس کے اُوپر نہ آگرے۔

ذرا غور کیجیے کہ اگر آپ لوگوں کے ساتھ عشائے ربانی کے معاملے میں بھی وہی طریقہ اختیار کریں جو آپ کلیسائی نظم و ضبط میں کرتے ہیں یعنی اُنہیں صرف روٹی اور انگوروں کا شیرہ دکھائیں، مگر کبھی چکھنے نہ دیں، اور کبھی اُنہیں ان نشانیوں میں شامل نہ کریں جو اُنہیں اُن کے نجات دہندہ کی محبت کی یاد دلاتی ہیں، تو کیا آپ کو لگتا ہے کہ صرف ''ساکرامنٹ'' کا نام ہی اُنہیں مطمئن کر دے گا؟ یا وہ ایسی رفاقت کو پسند کریں گے؟ اگر نہیں، تو پھر آپ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ لوگ صرف ''کلیسائی نظام'' کا کھوکھلا نام سن کر مطمئن ہو جائیں گے؟ اس کے علاوہ یہ بھی سوچیں کہ آپ مختلف رائے رکھنے والوں سے بحث کرتے وقت اپنے ہی موقف کو کتنا نقصان پہنچاتے ہیں۔ اگر آپ کے اصول اُن کے اصولوں سے بہتر ہوں، مگر اُن کا عمل آپ کے عمل سے بہتر ہو، تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ اصل سوال ''نام'' اور ''حقیقت''، ''سایہ'' اور ''اصل'' کا ہے۔ پھر وہ آپ کے طریقے کو محض ایک دھوکا دینے والی رسم سمجھیں گے، کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ آپ خود بھی اُسے صرف رسمی طور پر مانتے ہیں، بلکہ بعض اوقات تو اس پر عمل ہی نہیں کرتے۔ میں یہاں آپ کے کلیسائی نظام کے خلاف بات نہیں کر رہا، بلکہ اسی کے حق میں بات کر رہا ہوں۔ میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ دراصل وہی لوگ اپنے نظام کے خلاف نظر آتے ہیں جو اس کے لیے سب سے زیادہ جوش دکھاتے ہیں، کیونکہ وہ عمل نہ کر کے اسے اتنا نقصان پہنچاتے ہیں جتنا کوئی دلیل بھی نہیں پہنچا سکتی۔ آپ آخرکار یہ دیکھ لیں گے کہ اس نظام پر دیانت داری سے عمل کرنا ہی آپ کی سب سے مضبوط دلیل بنے گا۔ جب تک ایسا نہیں ہوتا، لوگ آپ کی باتوں کو یوں سمجھیں گے گویا آپ خود اعلان کر رہے ہوں کہ ہمیں نہ کھلی تنبیہ چاہیے، نہ اقرارِ گناہ، نہ جماعت سے اخراج؛ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ کوئی حقیقی بھلائی نہ کریں، بس ایک نظام کا ننگا نام قائم رکھیں۔

میرا مقصد یہ نہیں کہ میں کسی کو اس اہم ذمہ داری کو بے وقت یا غلط انداز میں انجام دینے پر ابھاروں۔ لیکن کیا یہ وقت کبھی آئے گا بھی؟ کیا آپ اسی بہانے سے برسوں تک وعظ اور ساکرامنٹ بھی چھوڑ سکتے ہیں کہ وقت مناسب

نہیں؟ کیا آپ مرنے کے بعد اس کے لیے بہتر وقت کی اُمید رکھتے ہیں؟ کتنے ہی لوگ اس اہم کام کی تیاری ہی کرتے رہ گئے، اور دنیا سے چلے گئے، مگر اس پر کبھی عمل نہ کر سکے۔

میں جانتا ہوں کہ کچھ لوگوں کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ رکاوٹیں اور مشکلات درپیش ہوتی ہیں، مگر آخر کون سی رکاوٹ ایسی ہے جو ہمیں اس فرض سے بری کر دے؟ جو دلائل ہم پہلے دے چکے ہیں، اُن کے علاوہ ان چند باتوں پر بھی سنجیدگی سے غور کیجیے:

(1) یہ کتنا افسوسناک نشان ہے کہ ہم اپنے لوگوں کو یہ دکھائیں کہ ہم کسی جاننے والے فریضے کو جان بوجھ کر مسلسل ترک کر رہے ہیں ! اور کیا ہم ایسا سال بہ سال، بلکہ اپنی ساری زندگی کریں گے؟ اگر بہانے اس نشان کے خطرے کو کم کر دیں، تو کون ایسا انسان ہوگا جو انہیں نہ پہچانے؟

(2) اس کام میں ہماری سستی اور کاہلی صاف ظاہر ہو جاتی ہے، بلکہ بعض اوقات تو یہ مسیح کی خدمت میں بےوفائی بھی بن جاتی ہے۔ میں یہ بات اپنے تجربے سے کہتا ہوں۔ مجھے خود اسی سستی نے مدت تک اس فرض سے روکے رکھا، اور یہی سستی اس کے خلاف مضبوط دلائل دیتی رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کام مشکل اور تکلیف دہ ہے، اور اس میں اپنی خودی سے انکار کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ اس سے بدکار لوگوں کی ناراضی مول لینی پڑتی ہے۔ لیکن کیا ہم اپنی جسمانی آرام طلبی، سکون، یا بدکار لوگوں کی محبت اور رضا کو اپنے خداوند یسوع مسیح کی خدمت پر ترجیح دے سکتے ہیں؟ کیا سست خادم اچھے اجر کی اُمید رکھ سکتے ہیں؟ اے بھائیو، یاد رکھو کہ ہم نے اپنے اس ضلع میں خدا کے حضور اپنے معاہدے کے دوسرے نکتے میں یہ وعدہ کیا تھا: ''کہ ہم خدا کی مدد سے اس بات پر متفق اور پرعزم ہیں کہ جس حد تک خدا ہمیں اپنا فرض سمجھائے گا، ہم ایمانداری سے اُسے ادا کرنے کی کوشش کریں گے، اور نہ اپنے مال کے نقصان کے خوف سے، نہ لوگوں کی ناراضی اور مخالفت سے، اور نہ کسی اور دنیاوی لالچ کے سبب اس سے پیچھے

ہٹیں گے''۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس وعدے پر غور کریں، اور اپنے عمل کو اس کے ساتھ تولیں۔ اور یہ نہ سمجھیں کہ آپ نے یہ وعدہ کر کے خود کو کسی جال میں پھنسا لیا ہے، کیونکہ خدا کی شریعت نے تو آپ پر یہی فرض اس وعدے سے پہلے ہی عائد کر دیا تھا۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو دوسروں پر لازم نہ ہو؛ جس کے آپ پابند ہیں، وہی ذمہ داری سب پر ہے۔

(3) کلیسیا کے نظم و ضبط کو نظرانداز کرنا لاافانی روحوں کو گمراہ کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اس سے ایسے لوگ خود کو مسیحی سمجھنے لگتے ہیں جو حقیقت میں نہیں ہوتے، کیونکہ اُنہیں مسیحیوں کے طور پر جینے دیا جاتا ہے اور خدا کے مقرر کردہ طریقے کے مطابق دوسروں سے الگ نہیں کیا جاتا۔ اس طرح کھلے عام گناہ کرنے والے بھی اپنے گناہ کو معمولی اور قابلِ برداشت سمجھنے لگتے ہیں، کیونکہ کلیسیا کے خادم اسے برداشت کر رہے ہوتے ہیں۔

(4) اس سے دنیا کی نظر میں خود مسیحیت کی بدنامی ہوتی ہے، اور ہم لوگوں کو یہ یقین دلانے میں حصہ دار بن جاتے ہیں کہ مسیح کا پاکیزگی سے کوئی خاص تعلق نہیں، یا یہ کہ مسیحی ایمان پاک زندگی کا وہ مطالبہ نہیں کرتا جو دوسرے جھوٹے مذاہب سے مختلف ہو۔ کیونکہ جب پاک اور ناپاک سب کو بغیر کسی امتیاز کے ایک ہی ریوڑ میں شامل رہنے دیا جاتا ہے، اور اُنہیں الگ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی، تو ہم نجات دہندہ پر یہ الزام لگاتے ہیں گویا یہ اسی کی تعلیمات کا نتیجہ ہو۔

(5) ہم خود ہی کلیسیا میں علیحدگی کو بڑھاوا دیتے ہیں، جب ہم بدترین لوگوں کو بغیر کسی سرزنش کے اپنی کلیسیاؤں میں رہنے دیتے ہیں۔ اس وجہ سے بہت سے سچے اور دیانت دار مسیحی یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اُن پر لازم ہے کہ وہ ہم سے الگ ہو جائیں۔ میں نے الگ ہونے والی کلیسیاؤں کے بعض معتدل افراد سے بات کی ہے اور علیحدگی کے خلاف اُن سے گفتگو بھی کی ہے۔ اُنہوں نے مجھے بتایا کہ وہ خود پریسبیٹیرین نظریے کے قائل تھے، یا کم از کم اس کے خلاف اُن کے پاس کوئی خاص اعتراض نہیں تھا، لیکن وہ مجبوری کے تحت دوسری کلیسیاؤں میں شامل ہوئے۔ اُن کا

خیال تھا کہ چونکہ نظم و ضبط مسیح کا مقرر کردہ حکم ہے، اس لیے جہاں ممکن ہو اُسے ضرور استعمال کیا جانا چاہیے، اور وہ اب مزید اس کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے، جب کہ اُنہیں اس پر عمل کرنے والی کلیسیا مل سکتی تھی۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ اُنہیں ایسی کوئی پریسبیٹیرین کلیسیا نہیں ملی جو واقعی اُس نظم و ضبط پر عمل کرتی ہو جس کا وہ دعویٰ کرتی ہے۔ اس لیے وہ صرف عارضی طور پر الگ ہوئے ہیں، اور جب پریسبیٹیرین کلیسیا نظم و ضبط پر عمل شروع کرے گی تو وہ خوشی سے واپس آجائیں گے۔ میں مانتا ہوں کہ مجھے اس بات کا بہت افسوس ہوا کہ ایسے لوگوں کو ہم سے الگ ہونے کا کوئی سبب ملا۔ صرف گناہ گاروں کو عشائے ربانی سے روک دینا کافی نہیں، جب تک وہ ہماری کلیسیا کے رکن بنے رہیں اور نظم و ضبط کے دوسرے تقاضے پورے نہ کیے جائیں۔

(6) ہم اپنے اُوپر اور اپنی جماعتوں پر خدا کے غضب کو لانے کا سبب بنتے ہیں، اوریوں اپنی محنت کے پھل کو خود ہی ضائع کر دیتے ہیں۔ اگر تھیاتیرہ (Thyatira) کی کلیسیا کے فرشتے کو اس بات پر ملامت کی گئی تھی کہ اُس نے کلیسیا میں گمراہ کرنے والوں کو برداشت کیا، تو اسی بنیاد پر ہمیں بھی ملامت کی جا سکتی ہے کہ ہم کھلے عام، بدنام اور توبہ نہ کرنے والے گناہ گاروں کو برداشت کرتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سی رکاوٹیں ہیں جو انگلینڈ کے خادمین کو اس نظم و ضبط پر عمل کرنے سے روکے ہوئے ہیں، جس کے لیے وہ اتنا زور دیتے رہے ہیں؟ جتنا میں سمجھ سکا ہوں، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ کام بہت مشکل ہے، اور اس میں ہمیں تکلیف اور نقصان اُٹھانا پڑ سکتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ''ہم کسی ایک گناہ گار کو بھی علانیہ ڈانٹیں تو وہ بھڑک اُٹھتا ہے اور ہم سے سخت دشمنی کرنے لگتا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کھلے عام سچی توبہ کا اقرار کریں۔ اگر ہم اُنہیں کلیسیا سے خارج کریں تو وہ ہمارے خلاف اور زیادہ غضبناک ہو جائیں گے۔ اگر ہم خدا کے حکم کے مطابق تمام ضدی گناہ گاروں کے ساتھ سختی سے پیش آئیں تو ہمارے لیے اُن کے

درمیان رہنا مشکل ہو جائے گا۔ لوگ ہم سے اتنی نفرت کرنے لگیں گے کہ نہ ہماری زندگی سکون میں رہے گی اور نہ ہماری خدمت کا کوئی فائدہ ہو گا، کیونکہ جو لوگ ہم سے نفرت کرتے ہوں وہ ہماری بات سننا ہی نہیں چاہیں گے۔ اس لیے ہمارے خیال میں یہ فرض، فرض نہیں رہتا، کیونکہ اس سے ہونے والا نقصان فائدے سے زیادہ ہو گا''۔

یہی وہ بڑے دلائل ہیں جن کی بنیاد پر کلیسائی نظم و ضبط پر عمل نہیں کیا جاتا، اس کے ساتھ یہ عذر بھی شامل ہے کہ ہر گناہ گار کو الگ الگ سمجھانا اور نصیحت کرنا بہت زیادہ محنت طلب کام ہے۔ اب، ان تمام باتوں کے جواب میں میں یہ کہتا ہوں:

[a] کیا یہ دلائل خود مسیحیت کے خلاف بھی اسی طرح درست نہیں ٹھہرتے، خاص طور پر بعض زمانوں اور جگہوں میں، جیسے اُنہیں کلیسیائی نظم و ضبط کے خلاف پیش کیا جاتا ہے؟ مسیح نے خود فرمایا کہ وہ زمین پر دنیاوی امن لانے نہیں آیا۔ ہمیں اُس کا امن تو ملتا ہے، مگر دنیا کا امن نہیں، کیونکہ اُس نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ دنیا ہم سے نفرت کرے گی۔ کیا بریڈفورڈ (Bradford)، ہوپر (Hooper)، یا وہ سب لوگ جنہیں ملکہ میری (Queen Mary) کے زمانے میں زندہ جلایا گیا، اصلاحِ کلیسیا کو قبول کرنے کے خلاف ہم سے بھی زیادہ مضبوط دلائل پیش نہیں کر سکتے تھے؟ کیا وہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ ''یہ ہمیں لوگوں کی نفرت کا نشانہ بنا دے گا، بلکہ ہماری جانیں بھی آگ میں ڈال دے گا؟'' مسیح کے مطابق وہ شخص اُس کا سچا پیروکار نہیں ہو سکتا جو اُس کے لیے اپنی ہر چیز، حتیٰ کہ اپنی جان کو بھی قربان کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ پھر یہ کیسا ایمان ہے کہ ہم صرف دنیاوی نقصان کے خوف سے اُس کے کام سے پیچھے ہٹ جائیں؟ یہ تو کھلی منافقت ہے کہ ہم تکلیف اور نقصان سے بچنے کے لیے صرف آسان اور محفوظ کام اختیار کریں، اور باقی فرائض کو یہ کہہ کر چھوڑ دیں کہ وہ ہماری ذمہ داری ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مصیبت سے بچنے کا سب سے عام طریقہ یہی ہے کہ اُس فرض کو ہی چھوڑ دیا جائے جو مصیبت کا سبب بن سکتا ہو۔ اگر ہم اپنا فرض ایمانداری سے ادا

کریں تو خادمین کو آج بھی ویسی ہی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا پہلے زمانوں میں خدا کے خادمین کو مشرکوں اور منکروں کے درمیان کرنا پڑا تھا۔

لیکن اگر تم مسیح کے لیے دکھ اُٹھانے کو تیار ہی نہیں ہو، تو پھر اُس کی خدمت کا بیڑا کیوں اُٹھایا؟ کیوں پہلے بیٹھ کر اس کی قیمت کا اندازہ نہ کیا؟ یہی وجہ ہے کہ خدمت کا کام بے وفائی سے انجام دیا جاتا ہے، کیونکہ اسے جسمانی اور دنیاوی نیت سے اختیار کیا جاتا ہے۔ لوگ اس خدمت میں اس اُمید کے ساتھ آتے ہیں کہ یہاں آسانی، عزت اور مقام ملے گا، اور پھر وہ اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے درست یا غلط ہر راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اُنہوں نے نفرت اور مصیبت کا حساب ہی نہیں لگایا، اس لیے جب یہ سامنے آتی ہیں تو وہ اپنے کام ہی سے بھاگنے لگتے ہیں۔

[b] جہاں تک یہ بات ہے کہ اگر ہم یہ فرائض ادا کریں تو شاید ہم لوگوں کو فائدہ نہ پہنچا سکیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دلیل تو صاف اور کھلی منادی، تنبیہ، یا کسی بھی ایسے فرض کے خلاف بھی دی جا سکتی ہے جس کی وجہ سے بدکار لوگ ہم سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اگر ہم یہ سوچیں کہ لوگ ناراض ہو جائیں گے اس لیے ہم فرض ادا نہ کریں، تو پھر کوئی بھی مشکل ذمہ داری باقی نہیں رہتی۔ خدا اپنے مقرر کردہ طریقوں میں برکت دیتا ہے، ورنہ وہ اُنہیں مقرر ہی نہ کرتا۔ جب آپ کھلے طور پر بدچلنی کرنے والوں کو نصیحت کرتے ہیں، اُنہیں ملامت کرتے ہیں، توبہ کی طرف بلاتے ہیں، اور ضدی لوگوں کو جماعت سے الگ کرتے ہیں، تو اس سے بہت سوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے حتیٰ کہ اُن لوگوں کو بھی جنہیں ملامت یا جماعت سے خارج کیا گیا ہو۔ کم از کم اتنا تو یقین ہے کہ یہ خدا کا مقرر کیا ہوا طریقہ ہے، اور یہ اُس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب نصیحت اور سمجھانا کوئی فائدہ نہ دے۔ اس لیے یہ بات بالکل غلط ہے کہ ہم آخری طریقے کو اس خوف سے چھوڑ دیں کہ کہیں پہلے طریقے بے اثر نہ ہو جائیں، حالانکہ آخری طریقہ تو اسی وقت اختیار کیا جاتا ہے جب پہلے سب طریقے ناکام ہو چکے ہوں۔

اور اگر مجرم خود فائدہ نہ بھی اُٹھائے، تب بھی اس سے کلیسیا کے اندر اور باہر بہت سوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے، اور خدا کی تمجید ہوتی ہے۔ اس طرح کلیسیا دنیا سے واضح طور پر الگ پہچانی جاتی ہے، اور یہ فرق صاف نظر آتا ہے کہ کون خدا کے راستے پر ہے اور کون نہیں۔ اور دنیا یہ نہیں سمجھتی کہ مسیح اور شیطان صرف اقتدار کے لیے لڑ رہے ہیں، بلکہ یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مسیح پاکیزگی سے محبت کرتا ہے اور گناہ سے نفرت۔

[c] لیکن پھر بھی میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ راستے میں اتنی بڑی مشکلات نہیں جتنی آپ سمجھتے ہو، اور نہ ہی کلیسائی نظم و ضبط کوئی بے فائدہ چیز ہے۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی زندگی میں اگرچہ تھوڑی دیر سے ہی سہی، مگر اس کا تجربہ ہوا۔ میں اپنے تجربے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ کوشش رائیگاں نہیں جاتی، اور اس کے خطرات ایسے نہیں کہ ہم اس کو چھوڑ دینے کا بہانہ بنا لیں۔ میں صاف اعتراف کرتا ہوں کہ اگر میری مرضی ہوتی تو جو شخص نظم و ضبط کے ذریعے اپنی جماعت کی رہنمائی نہیں کرتا، اُسے ایک غافل پادری سمجھ کر عہدے سے برخاست کر دیا جاتا، بالکل اسی طرح جیسے اُس واعظ کو برخاست کیا جاتا ہے جو وعظ نہیں کرتا۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ جماعت کی رہنمائی کرنا پادری کے منصب کا اتنا ہی لازمی حصہ ہے جتنا وعظ کرنا۔

میں ان اعترافات کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ اور اب، اے بھائیو، اس کے سوا اور کیا باقی رہ جاتا ہے کہ ہم سب ان گناہوں کا اقرار کریں جن کا ذکر ہو چکا ہے، اور خدا کے حضور اپنی کوتاہیوں پر عاجزی اختیار کریں؟ کیا یہی ہے کہ ہم اپنی اور اپنی جماعت کی خبر رکھتے ہیں؟ کیا یہی وہ نمونہ ہے جو ہمیں اس نص میں دیا گیا ہے؟ اگر ہم اب بھی سخت دل اور بے نیاز رہیں تو یہ ہمارے لیے اور کلیسیا کے لیے کتنی افسوسناک علامت ہو گی! خدمتِ دین کو بارہا مختلف دشمنوں کی طرف سے دھمکایا اور بدنام کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس سے اُن کی بدنیتی ظاہر ہوتی ہے، لیکن اس میں ہمارے لیے خدا کے عادلانہ غضب کا اشارہ بھی ہو سکتا ہے۔ یقین کرو، اے بھائیو، برطانیہ کے خادمِ دین اس ملک کے گناہوں میں نہ سب سے کم شریک ہیں اور نہ ہی آخر میں آنے والے۔ اس لیے اب وقت آ گیا ہے کہ ہم بھی اس

عاجزی میں اپنا حصہ ڈالیں، جس کی طرف ہم عرصے سے اپنی جماعت کو بلا رہے ہیں۔ اگر ہم ہوش میں ہوں تو سمجھ سکتے ہیں کہ خدا ہم سے ناراض ہوا ہے، اور جس آواز نے اس قوم کو توبہ کی طرف بلایا، وہ ہم سے بھی مخاطب ہوئی۔ جس کے کان ہوں وہ توبہ کی تعلیمات کو سنے، جو اتنی عظیم نجات اور حفاظت کے ذریعے سنائی گئی اور جس کی آنکھیں ہوں وہ انہیں خون کی لکیروں میں لکھی ہوئی دیکھے۔ خدا نے آگ اور تلوار کے ذریعے ہمیں عاجزی کی طرف بلایا ہے، اور جس طرح فیصلہ خدا کے گھر سے شروع ہوا ہے، اگر عاجزی بھی وہیں سے شروع نہ ہوئی تو یہ ہمارے لیے اور اس ملک کے لیے ایک افسوسناک پیشگوئی ہوگی۔

کیا ہم اپنے گناہوں کا انکار کریں یا اُنہیں ہلکا ثابت کرنے کی کوشش کریں، جبکہ ہم اپنی جماعت کو کھلے اور مکمل اعتراف کی دعوت دے رہے ہیں؟ کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم عاجزانہ اعتراف کے ذریعے خدا کو جلال دیں، بجائے اس کے کہ اپنی ذات کے خیال میں اپنے عیب چھپانے کی کوشش کریں؟ ورنہ خدا اپنا جلال حاصل کرے گا، مگر ہماری تباہی اور رسوائی کے ذریعے، اس جلال کے کھنڈرات پر جسے ہم نے اُس کے جلال پر ترجیح دی۔ افسوس! اگر آپ خدا کو مجبور کرو کہ وہ جیسے بھی ہو اپنا احترام حاصل کرے، تو وہ ضرور حاصل کرلے گا، مگر یہ تمہارے لیے دائمی غم اور بے عزتی کا سبب بنے گا۔ کھلے عام کیے گئے گناہ اُس وقت زیادہ رسوا کن بن جاتے ہیں جب ہم اُنہیں چھپاتے ہیں، نہ کہ جب ہم اُن کا اعتراف کرتے ہیں۔ بے عزتی گناہ میں ہے، اعترافِ گناہ میں نہیں۔ ہم نے یہ گناہ دن کی روشنی میں کیے ہیں، اس لیے وہ چھپ نہیں سکتے۔ اُنہیں چھپانے کی کوشش ہمارے گناہ اور شرمندگی میں مزید اضافہ کرتی ہے۔ ہماری عزت میں جو دراڑیں گناہ نے ڈال دی ہیں، اُنہیں جوڑنے کا کوئی راستہ نہیں، سوائے کھلے اعترافِ گناہ اور عاجزی کے۔

میں اپنے گناہوں کا اعتراف کیے بغیر رہ نہیں سکا۔ اور اگر کسی کو یہ برا لگے کہ میں نے اُن کے گناہوں کا ذکر کیا ہے، تو وہ جان لیں کہ میں نے وہی کیا ہے جو میں نے اپنے ساتھ کیا۔ اور اگر وہ اپنے گناہ کے اعتراف سے انکار کریں، تو یہ

اُن کے لیے ایک خطرہ ہو گا۔ لیکن جو مسیح کے سچے اور عاجز خادم ہیں، مجھے شک نہیں کہ وہ اس بات پر آمادہ ہوں گے کہ اپنی اپنی جماعتوں کے سامنے زیادہ سنجیدگی سے اپنے گناہوں پر افسوس کریں اور اصلاح کا وعدہ کریں۔

The End

مزید معلومات، مسیحی کتب، پوڈکاسٹ اور آرٹیکل حاصل کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں

www.reformedbytruth.com

صرف ذاتی اور نجی استعمال کے لیے نقل کی اجازت ہے، فروخت کے لیے نہیں۔
Duplication of this document is permitted for personal, private use only.